# پل صراط

خون بہتا ہے تو اجالے بھی دے کر جاتا ہے۔ گندے خون کا بہہ جانا ہی بہتر ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اچھا خون بھی بہہ جاتا ہے، مگر یہ اچھا خون رائیگاں نہیں جاتا، یہی تو وہ خون ہے جو نئی صبح کا پیغام لاتا ہے۔

اس صحافی کا قصہ جس نے صحافت پر لگے ہوئے داغ کو اپنے خون سے دھو دیا تھا۔

**روزنامہ** جمہور کے دفتر میں نفسا نفسی کا عالم تھا۔ اخبار پریس جانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ عدنان اپنا کالم مکمل کر کے بیٹھا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ اتنی مصروفیت میں فون کی گھنٹی اسے ہمیشہ زہر لگتی تھی۔ اس نے بڑی بے دلی سے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے کسی نے کہا۔ "مجھے عدنان کو ایک بہت اہم بات بتانی ہے' وہ موجود ہیں؟"

"میں ناصر عدنان ہی ہوں' آپ کون ہیں؟" عدنان نے دریافت کیا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اہم بات یہ ہے کہ میں تمہیں پاک باز عاصم مرزا کے بارے میں ٹپ دے رہا ہوں۔"

عدنان اس کال میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا۔ الیکشن میں صرف دو ہفتے رہ گئے تھے اور عاصم مرزا اہم ترین امیدوار تھا۔ اس کے بارے میں ہر بات خبر کی حیثیت رکھتی تھی۔

"میں گوش بر آواز ہوں۔" اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"شہلا سے واقف ہو؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

کالم نگار ہونے کے ناتے عدنان لوگوں کے متعلق چھان بین کرتا رہتا تھا۔ شہلا گلوکارہ تھی اور تیسرے درجے کے ایک جرائم پیشہ شخص کی گرل فرینڈ بھی۔ "ہاں........ میں خاتون سے واقف ہوں۔"

"خاتون کہہ کر اگر تم اسے عزت دینا چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ شہلا پچھلے ڈیڑھ دو ماہ سے عاصم سے باقاعدگی سے مل رہی ہے۔ کہو' کیسی خبر ہے؟"

عدنان کے جسم میں سنسنی سی دوڑنے لگی۔ اس نے سگریٹ سلگاتے ہوئے پوچھا۔ "اور یہ بات کس کس کے علم میں ہے؟"

"صرف میرے اور تمہارے۔" دوسری طرف سے جواب ملا۔ "آگے تم جانو میں نے تمہیں ایک بم تھما دیا ہے۔" اس کے ساتھ ہی رابطہ منقطع ہو گیا۔

عدنان نے ریسیور کریڈل پر ڈالا اور سوچنے لگا۔ عاصم مرزا جیسا آئیڈیلسٹ آدمی اور شہلا جیسی بے راہ رو لڑکی! یہ امتزاج اس کی سمجھ سے بالا تر تھا۔



برابر بیٹھا ہوا ادریس اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ "کس کی کال تھی؟" بالآخر اس نے پوچھا۔

"گمنام کال تھی۔ کوئی عاصم مرزا کے بارے میں افسانے تراش رہا تھا۔ ادریس! عاصم مرزا کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"وہ مصلح ہے۔ اس نے اپنی بہت کامیاب وکالت کو چھوڑ کر اس اندھیرے شہر کا میئر بننے کے لئے قربانی دی ہے مگر میئر بن نہیں سکے گا۔ اس شہر کی تاریکیاں اسے سالم کا سالم نگل جائیں گی۔ تاریکیاں روشنی کو کبھی پسند نہیں کرتیں۔"

"وہ جیت بھی سکتا ہے۔ میں نے اس کی کارنر میٹنگز دیکھی ہیں۔ لوگ اس کی طرف کھنچتے ہیں۔"

"سب کالج کے لڑکے ہوتے ہیں۔ جو ووٹ نہیں دے سکتے۔ تم کیا سمجھے ہو' گھنشام اور میئر صابر جیسے لوگ عاصم مرزا کو جیتنے دیں گے؟"

عدنان نے کرسی کی پشت گاہ سے سر ٹکا کر سگریٹ سے سگریٹ جلا لیا۔ اس کا ذہن شہلا اور عاصم مرزا کے بارے میں الجھ رہا تھا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ایک اہم خبر کے تعاقب میں ہے۔ وہ اپنے وجدان کو کبھی چیلنج نہیں کرتا تھا۔ شہلا کی اہمیت یہ بھی تھی کہ وہ جابر جیسے لفنگے کی دوست تھی۔ اس کا عاصم مرزا سے ملنا یقیناً کوئی معنی رکھتا ہے۔ جابر گھنشام کے غلاموں میں سے تھا۔

عدنان اٹھا اور رپورٹر انور کی طرف چلا آیا۔ "ایک بات بتاؤ یار' تم جابر کو جانتے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"جانتا ہوں۔ وہ گھنشام کی جوتیاں سیدھی کرتا ہے۔ مگر ہے خطرناک آدمی۔" انور نے بتایا۔

"اور شہلا؟"

"میں نے سنا ہے کہ ایک ڈیڑھ ماہ پہلے جابر اور شہلا میں جھگڑا ہو گیا تھا۔ وہ گھنشام کے رین بو کلب میں کام کرتی ہے۔ زبردست پیس ہے۔"

عدنان نے نظریں گھما کر شیشے کے اس کیبن کو دیکھا جو جمہور کے ایڈیٹر کا آفس تھا۔ بابر اپنے آفس میں بیٹھا کچھ لوگوں سے گفتگو کر رہا تھا۔ عدنان نے جو کچھ سیکھا تھا' بابر سے سیکھا تھا۔ اسے رپورٹنگ سے ہٹا کر کالم لکھنے کا موقع اور حوصلہ بابر ہی نے دیا تھا۔ دونوں ایک نامعلوم بندھن میں بندھے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان ایک ایسا رشتہ ایسا تعلق تھا'

الفاظ جس کا احاطہ نہیں کرسکتے تھے۔

عدنان عاصم والی ٹیپ کے سلسلے میں بابر سے مشورہ کرنا چاہتا تھا لیکن بابر بہت زیادہ مصروف تھا۔ چنانچہ وہ کچھ سوچ کر دفتر سے نکل آیا۔

☆=====☆=====☆

عاصم مرزا کے مرکزی انتخابی دفتر میں بڑی گہما گہمی تھی۔ ورکرز میں بھاری اکثریت کالج کے لڑکوں اور لڑکیوں کی تھی۔ سامنے والی دیوار پر عاصم مرزا کی بڑی تصویر آویزاں تھی۔ تصویر میں بھی وہ راست باز ہی لگتا تھا۔

ایک لڑکا بیج لے کر عدنان کی طرف بڑھا مگر عدنان نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔ "میں جمہور کا........ ناصر عدنان ہوں اور مجھے عاصم صاحب سے ملنا ہے۔" اس نے کہا۔

"مرزا صاحب تو یہاں نہیں ہیں' لیکن پلیز' آپ جائیے گا نہیں۔ میں رضا صاحب کو بلاتا ہوں۔ ہمارے پریس کے معاملات وہی ڈیل کرتے ہیں۔" لڑکے نے کہا اور تیزی سے دوسرے کمرے کی طرف چلا گیا۔ چند لمحے بعد دوسرے کمرے سے ایک منحنی سا آدمی نمودار ہوا۔ اس نے عدنان سے بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔ "آئیے........ میرے ساتھ۔" وہ عدنان کو دوسرے کمرے میں لے گیا۔ اس نے عدنان کو کرسی پیش کی اور خود بھی بیٹھتے ہوئے بولا۔ "یہاں ہم سکون سے بات کر سکتے ہیں۔ اب فرمائیے' کیا خدمت کروں آپ کی؟"

"اس سیٹ اپ میں آپ کی پوزیشن کیا ہے؟"

رضا ہکا بکا رہ گیا۔ اسے اس سوال کی توقع نہیں تھی۔ "میں........ میں مرزا صاحب کا پریس سیکرٹری ہوں۔ ان کی انتخابی مہم چلا رہا ہوں۔"

"آپ باقاعدہ ملازم ہیں؟ تنخواہ لیتے ہیں؟"

"نہیں۔ میں نے اس کام کے لیے اپنے کالج سے چھٹی لی ہے۔" رضا پلکیں جھپکاتے ہوئے بولا۔ "لیکن میرا خیال ہے' آپ مرزا صاحب کے بارے میں گفتگو کرنے آئے ہیں۔"

عدنان نے دانستہ دوسرے رخ سے حملہ کیا تھا۔ اسے رضا کی حیرت سے فائدہ اٹھانا تھا۔ "مرزا صاحب جیت گئے تو آپ ان سے وابستہ رہیں گے؟ یا واپس کالج چلے جائیں گے؟" اس نے سگریٹ سلگاتے ہوئے پوچھا۔



رضا نے اِدھر اُدھر دیکھا اور معذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔ "ایش ٹرے یہاں کبھی نہیں ٹکتیں۔ نہ جانے کہاں غائب ہو جاتی ہیں۔ خیر' آپ پروا نہ کریں۔ ہاں تو آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ ابھی میں اس سلسلے میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔"

"ٹھیک ہے۔ اب مجھے شہلا کے بارے میں بتائیے۔ یہ تو مجھے معلوم ہے کہ وہ آج کل مرزا صاحب سے مل رہی ہے۔ آپ کو معلوم ہے' میدان سیاست میں کوئی بات دیر تک چھپی نہیں رہتی۔"

رضا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اضطراری طور پر اپنا چشمہ اتارا اور اس کے شیشے صاف کرنے لگا۔ "یہ آپ کہاں کی اڑا رہے ہیں؟" اس کے لہجے میں احتجاج تھا۔ "خدا جانے' یہ افواہ آپ نے کہاں سے سنی ہے! مگر میں یقین دلاتا ہوں کہ یہ بے بنیاد ہے۔"

"دیکھیے........ اس سے کوئی فائدہ نہیں........"

"میں مزید کچھ نہیں کہوں گا۔"

"برا کریں گے۔" عدنان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر وہ بھی اٹھ کر کھڑا ہوا۔

"ایک منٹ۔" رضا نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "یہ تو بتا دیں کہ آپ نے یہ افواہ کس سے سنی ہے؟"

"اگر یہ بے بنیاد افواہ ہی ہے تو آپ اس میں دلچسپی کیوں لے رہے ہیں؟" عدنان نے اعتراض کیا۔

رضا کچھ دیر سوچتا رہا' پھر بولا۔ "میری استدعا ہے کہ آپ اسے اپنے کالم میں جگہ نہ دیں۔"

"میرے نزدیک یہ افواہ نہیں' ایک نامکمل خبر ہے........ اور دلچسپ خبر ہے۔" عدنان نے سرد لہجے میں کہا۔

"آپ ایسا نہیں........" رضا کہتے کہتے رک گیا۔ اس کی آنکھوں سے بے بسی جھلک رہی تھی۔ "دیکھیے ........ یہ بہت نازک معاملہ ہے۔ میں آپ سے آف دی ریکارڈ کچھ کہوں؟"

"کوئی ضرورت نہیں۔ میں اخبار نویس ہوں۔ افواہوں میں میرے لیے لذت کا کوئی پہلو نہیں ہوتا۔ ہر افواہ کے پیچھے ایک سچ ہوتا ہے اور میں اسے چھاپے بغیر نہیں رہتا۔"

"آپ بہت سخت ہیں........ بابر کے تربیت یافتہ مخصوص صحافی!"

"بابر کو بھول جائیں........ اور مجھے اخلاقیات پڑھانے کی کوشش بھی نہ کریں۔"

آپ مجھ سے سودے بازی کر رہے ہیں کہ نہیں۔ یعنی آپ مجھے حقیقت بتائیں گے اور میں اسے اخبار کی زینت نہیں بناؤں گا۔ یہی بات ہے نا؟" عدنان کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا لیکن آپ مسئلے پر گفتگو کرنے کے بجائے لڑ رہے ہیں۔" رضا نے شکایتی لہجے میں کہا۔

عدنان مسکرا دیا۔ "ٹھیک ہے۔ آپ مجھے قائل کر دیجئے کہ چند روز بعد مجھے ایک زوردار خبر مل جائے گی تو لڑائی ختم۔"

"منظور ہے۔ میں آپ کو مکمل پس منظر اور تمام جزئیات فراہم کروں گا۔ آپ قائل ہو جائیں گے کہ ایک بہت بڑی خبر تکمیل کے مراحل سے گزر رہی ہے۔ آپ تشریف رکھیے۔ میں آپ سے کچھ نہیں چھپاؤں گا۔" یہ کہہ کر رضا نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور عدنان کے بیٹھنے کے بعد چوکنے پن سے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "شہلا نے چھ ہفتے پہلے ہم سے رابطہ کیا تھا۔ وہ ہمیں میئر صابر، گھنشام اور شہری انتظامیہ کے کرپشن کے بارے میں بتانا چاہتی تھی۔ چنانچہ ہم نے مرزا صاحب سے اس کی ملاقات کا بندوبست کیا۔ ملاقات ایک ہوٹل کے کمرے میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد سے اب تک ان کے درمیان پانچ مزید ملاقاتیں ہو چکی ہیں۔ اب آپ خود دیکھ لیں کہ........"

"ایک منٹ۔ کیا یہ ملاقاتیں تنہائی میں ہوئی ہیں؟"

رضا مسکرا دیا۔ "ہم سیدھے سادے لوگ ہیں مگر بے وقوف نہیں ہیں ملاقات کے دوران شہر کے ایسے معزز خواتین و حضرات موجود رہے ہیں، جن کے بیان کو کوئی جھٹلانے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ ہر ملاقات میں ہونے والی گفتگو ریکارڈ کر لی گئی ہے۔"

"ایک بات اور، شہلا یہ معلومات بلا معاوضہ فراہم نہیں کر رہی ہو گی؟"

"بلا معاوضہ ہی کر رہی ہے۔ دراصل معاملہ انتقام کا ہے۔ اس کا اپنے دوست جابر سے جھگڑا ہو گیا تھا۔ جابر، گھنشام کا آدمی ہے۔ شہلا دونوں سے انتقام لینا چاہتی ہے۔"

"یہ بتائیں، معلومات کی نوعیت کیا ہے؟ کچھ کام کی باتیں بھی ہیں؟"

"شروع میں تو ہمیں مایوس ہوئی۔ شہلا اندر رہنے کی وجہ سے یہ سمجھے ہوئے تھی کہ بہت کچھ معلوم ہے لیکن ایسا ہے نہیں۔ البتہ آخری دو ملاقاتوں میں کچھ امید بندھی ہے۔"

"سوال یہ ہے کہ ان معلومات سے فائدہ کیا ہو گا۔ پورا شہر جانتا ہے کہ گھنشام کس



قسم کا کاروبار کر رہا ہے۔ میئر صابر کے متعلق بھی لوگ سب کچھ جانتے ہیں۔"

"لیکن آپ کو ان لوگوں میں کسی خبر کا امکان نظر نہیں آتا۔ آپ ان کے متعلق کچھ نہیں لکھتے!"

"میں وہ لکھتا ہوں، جس سے لوگ بے خبر ہوں۔" عدنان نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "بہرحال، آپ سے جو وعدہ کیا ہے اسے میں نبھاؤں گا۔ اگر شہلا کوئی اہم بات بتاتی ہے تو وہ میرے اخبار میں چھپے گی، لیکن مجھے اس کا امکان نظر نہیں آتا۔ اور ہاں........ ایک مشورہ ہے۔ محتاط رہیے گا۔ یہ کوئی جال بھی ہو سکتا ہے۔"

"ہم محتاط ہیں۔ بہت بہت شکریہ۔"

عدنان دروازے پر رکا، ہچکچایا۔ وہ ان سیدھے سادے لوگوں کے سلسلے میں کوئی الجھن محسوس کر رہا تھا۔ "آپ کو اس چکر میں پڑ کر کیا ملے گا؟" بالآخر اس نے پوچھا۔

"میں ایک صاف ستھرے شہر میں رہنا چاہتا ہوں۔" رضا نے کہا۔ "میئر صابر شہر کا ماحول خراب کر رہا ہے۔ میں اپنے بچوں کو اچھا انسان دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں انہیں دیانت داری اور محنت جیسے اوصاف سے آراستہ دیکھنا چاہتا ہوں جبکہ یہ اوصاف میئر صابر کے زیرِ انتظام نہیں پنپ سکتے۔"

"بہت خوب۔ آپ کے پاس صرف آئیڈیل ہیں۔"

رضا چند لمحے عدنان کو بہ غور دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ "آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں........ اڑا سکتے ہیں۔ مگر میں آپ کو ایک بات بتا دوں۔ میں اٹھارہ سال سے کالج میں تاریخ پڑھا رہا ہوں۔ اپنے شاگردوں کو بتا رہا ہوں کہ بڑی بڑی تہذیبیں کس طرح تباہ ہوئیں........ روم، ایتھنز اور بغداد۔ لیکن مجھے یہ احساس نہیں ہوتا تھا کہ ہمارا معاشرہ بھی اسی صورت حال سے دوچار ہے۔ اس کا احساس مجھے عاصم مرزا کی تقریر سن کر ہوا۔ مجھے پتا چلا کہ اس شہر میں کیسے کیسے مکروہ جرائم ہو رہے ہیں۔ منظم جرائم۔ تقریر سننے کے بعد میں نے اگلے روز چھٹی اپلائی کی، اپنا تفریحی ٹور منسوخ کیا اور خود کو عاصم مرزا کے حوالے کر دیا۔" اس نے پیکٹ سے سگریٹ نکالی لیکن اس کا ہاتھ یوں لرز رہا تھا کہ دیا سلائی جلانا ناممکن تھا۔ "سوری........ میں آپ کو بھی لیکچر دینے لگا، یہ بری عادت ہے۔"

"ممکن ہے، بری ہو........" عدنان نے لائٹر بڑھا کر اسے سگریٹ جلانے میں مدد دی۔ "ممکن ہے، اچھی عادت ہو۔" اس نے جملہ پورا کیا اور پلٹ کر کمرے سے نکل آیا۔

☆======☆======☆

عدنان کی اگلی منزل شہلا کا فلیٹ تھا' جس کا پتا اسے رپورٹر انور نے فراہم کیا تھا۔ دستک کے جواب میں ایک خوش رو لڑکی نے دروازہ کھولا۔ اس کے میک اپ سے پاک چہرے پر معصومیت تھی۔ عدنان نے اس سے شہلا کے بارے میں پوچھا۔ اس نے بتایا کہ شہلا موجود نہیں ہے۔

"کب تک واپس آجائیں گی؟"

"کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ آپ اندر آجائیں نا۔" لڑکی نے بے حد خوش اخلاقی سے کہا۔

عدنان ایسی کوئی دعوت کبھی نظرانداز نہیں کرتا تھا۔ اس نے لڑکی سے اپنا تعارف کرایا۔

"چائے پئیں گے؟ ابھی بنائی ہے میں نے۔"

چائے پینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ چائے کی ایک پیالی کے دوران ہونے والی گفتگو بے حد معلومات افزا ثابت ہو سکتی تھی۔ ہوا بھی یہی۔ چائے پینے کے دوران اسے لڑکی کے بارے میں اچھی خاصی معلومات حاصل ہوئیں۔ اس کا نام شبانہ تھا۔ وہ اور شہلا کالج میں ساتھ پڑھی تھیں۔ شبانہ کو بھی گانے کا شوق تھا اور شہلا نے اسے گھنشام کے کلب میں کام دلانے کا وعدہ کیا تھا۔

"آپ گھنشام کو جانتے ہیں؟" شبانہ نے پوچھا۔

"تھوڑا تھوڑا۔"

"اتنے عجیب انداز میں کیوں کہی آپ نے یہ بات؟"

"میری آواز مارے احترام کے لرز رہی ہو گی۔ اور کوئی خاص بات نہیں۔" عدنان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم کبھی اس سے ملی ہو؟"

"نہیں، لیکن شہلا جلد ہی مجھے اس سے ملوائے گی۔"

اچانک عدنان کا وجدان جاگ اٹھا۔ "تم کبھی جابر سے ملی ہو؟" اس نے سرسری انداز میں پوچھا۔

"گزشتہ رات......... محض چند لمحے۔ وہ بہت دیر بعد یہاں آیا تھا۔ ذرا سی دیر ٹھہرا ......... اور چلا گیا۔"

عدنان زیر لب مسکرایا۔ اگر شہلا اور جابر کے درمیان اختلافات تھے تو وہ دور ہو



رہے تھے یا ہو گئے تھے۔ اس نے گھڑی پر نظر ڈالی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ "چائے کا بہت بہت شکریہ شبانہ۔ شہلا کو بتا دینا کہ میں اسے ملنے آیا تھا۔"

"کوئی پیغام؟"

"نہیں۔ میں اسے فون کر لوں گا کسی وقت۔"

اسی وقت راہ داری میں اونچی ایڑی کے سینڈلوں کی کھٹ کھٹ سنائی دی۔ شبانہ نے کہا۔ "لیجئے......... وہ آگئی۔"

دروازہ کھلا۔ "شبانہ تم کیا کر رہی.........؟" شہلا نے عدنان کو دیکھا تو جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"ہیلو شہلا.........! میری خوش قسمتی ہے کہ تم سے ملاقات ہو گئی۔" عدنان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم یہاں کیوں آئے ہو؟" شہلا نے عدنان سے کہا اور ٹٹولنے والی نگاہوں سے شبانہ کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں شک کی پرچھائیاں تھیں۔ "یہ یہاں کیوں آیا ہے......... کیا تفتیش کر رہا ہے؟" اس نے شبانہ سے پوچھا۔

"انہوں نے تو بتایا تھا کہ یہ تمہارے دوست ہیں۔" شبانہ نے کہا۔

"کیسی عجیب بات ہے۔ تم نے یقین بھی کر لیا میں اخبار والوں کو پولیس سے زیادہ خطرناک سمجھتی ہوں۔" شہلا نے کہا۔ پھر وہ عدنان سے مخاطب ہوئی۔ "کیا بات ہے؟ کیا چاہتے ہو تم؟" اس کے لہجے میں برہمی تھی۔

عدنان نے ایک نظر شہلا کو اور پھر شبانہ کو دیکھا۔ دونوں لڑکیاں ایک دوسرے کی ضد تھیں۔ ایک کا حسن دہکتی ہوئی آگ تھا تو دوسری شبنم تھی۔ "میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم عاصم مرزا سے کیوں مل رہی ہو آج کل؟" عدنان نے کہا۔

شہلا چند لمحے خاموش کھڑی اسے گھورتی رہی۔ پھر بولی۔ "اب تم چلے جاؤ۔ مجھے کچھ کام کرنا ہیں۔"

"گویا اس موضوع پر بات کرنا نہیں چاہتیں۔ رضا صاحب کا بھی شروع میں یہی رویہ تھا لیکن بعد میں انہوں نے سب کچھ اگل دیا۔ ویسے تمہاری سرگرمیاں میری سمجھ میں نہیں آئیں۔ تم اتنی حسین......... اتنی دلکش ہو کر بھی........."

"تمہیں میرے حسن اور دلکشی سے کب سے دلچسپی ہو گئی؟" شہلا نے خشک لہجے میں کہا۔

"گھنشام کو جب علم ہو گا کہ تم کاروباری راز فاش کر رہی ہو تو وہ تمہارے لیے آئینہ دیکھنے کو انتہائی تکلیف دہ عمل بنا دے گا۔ یہ سوچا ہے تم نے؟"

"گیٹ آؤٹ؟" شہلا نے کہا اور بیڈ روم کی طرف جانے لگی۔ عدنان نے جھک کر اسے سلام کیا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ شبانہ اس کے پیچھے لپکی۔ اس نے ناب پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ شبانہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "پلیز' اس طرح نہ جائیے! وہ خوفزدہ ہے۔ میں جانتی ہوں' وہ آپ سے بات کرنا چاہتی ہے۔" وہ بولی۔

عدنان نے پلٹ کر اسے دیکھا......... اور اس کے ساتھ بیڈ روم کی طرف چل دیا۔

وہاں شہلا مضطربانہ انداز میں ٹہلے جا رہی تھی۔ اس نے رک کر عدنان کو دیکھا اور بولی۔

"سوری۔ دراصل میں خوفزدہ ہوں۔" عدنان نے دیکھا' خوف اس کے چہرے اور آنکھوں سے مترشح تھا۔ "لیکن بہتر یہی ہے کہ تمہیں سب کچھ بتا دوں۔" اس نے مزید کہا۔ "میں جابر سے بدلہ لینے کی غرض سے عاصم مرزا سے جا ملی تھی لیکن عاصم مرزا سے ملنے کے بعد احساس ہوا کہ مجھے یہی کچھ کرنا چاہیے تھا۔ اسے مذاق نہ سمجھو۔ عاصم مرزا بہت اچھا......... بہت دیانت دار آدمی ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ میں اس سے متاثر ہوں......... اس کی عزت کرتی ہوں اور اس کے مشن کی کامیابی کے لیے کوشاں ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ میری اس حرکت پر گھنشام کا کیا ردعمل ہو گا۔ اور یہ بات بھی نہیں کہ میں خوفزدہ نہیں۔ میں خوفزدہ ہوں لیکن میرے قدم نہیں رکیں گے۔ گھنشام مجھے روک نہیں سکتا۔"

"ممکن ہے' لیکن ایک بات بتاؤ شہلا۔ تمہارے پاس گھنشام کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت بھی ہے؟ کیونکہ ضرورت تو ثبوت کی ہے۔ اندازے تو سبھی لگا سکتے ہیں۔ گھنشام کو پورا شہر جانتا ہے' لیکن اس کی اور میئر کی طرف کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا۔"

"مجھے ایسی باتیں معلوم ہیں' جن سے اسے نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

"مثلاً؟"

"وہ میں صرف عاصم مرزا کو بتاؤں گی۔ آگے کی وہ جانے۔"

عدنان چند لمحے سوچتا رہا' پھر بولا۔ "میں تمہارے اور عاصم کے لیے دعا ہی کر سکتا ہوں۔ تمہیں تو اس سوچ پر تمغہ ملنا چاہیے......... حالانکہ نہیں ملے گا۔" پھر وہ شبانہ سے مخاطب ہوا۔ "تم سے پھر کبھی ملاقات ہو گی؟"

"ناکام کوشش جاری رکھنا۔" شبانہ نے سرد لہجے میں کہا۔



"میں چلتا ہوں۔ خدا حافظ!"

باہر نکل کر وہ سوچ میں ڈوبا پیدل ہی چلتا رہا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس پورے معاملے میں کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ہے۔ انتقام سے شروع ہو کر دیانت اور فرض کی طرف بڑھنے والی اس کہانی میں شہلا کا کردار کسی مصنف کا تخلیق کردہ معلوم ہو رہا تھا۔ سوال یہ تھا کہ اس کھیل میں اصل ہدف کون شخص ہے۔

☆======☆======☆

عدنان نے اس سلسلے میں اپنے ایڈیٹر سے مشورہ لینے کا فیصلہ کیا۔ اس نے بابر کو اب تک کی پوری کتھ بھائی اور پھر اس کے ردعمل کا انتظار کرنے لگا۔

"تصویر نامکمل ہے۔" بابر نے چند لمحے سوچنے کے بعد کہا۔ "سوال یہ ہے کہ شہلا کو کیا حاصل ہو گا؟ میں نہ انتقام والی بات پر یقین کر سکتا ہوں' نہ اس کے عاصم مرزا سے متاثر ہونے پر۔ وہ ایسی باضمیر نہیں ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ معلومات فروخت کر رہی ہو گی۔"

"رضا تو اس کی تردید کرتا ہے۔"

"پھر بھی ہمیں ڈبل چیک کرنا ہو گا۔ اگر شہلا معلومات فروخت کر رہی ہے تو ہم بڑھ کر بولی لگا سکتے ہیں۔"

"عاصم مرزا کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" عدنان نے پوچھا۔

"آج تمہاری اس سے ملاقات ہوئی؟" بابر نے الٹا سوال کر ڈالا۔

"نہیں۔ البتہ اس کے پریس سیکرٹری رضا سے بات ہوئی تھی۔"

"عاصم عجیب آدمی ہے۔ بچوں سے محروم ہے۔ پیسے کی طرف سے کوئی پریشانی نہیں۔ بیوی اچھی ہے' گھر پُرسکون ہے اور اس طرف سے مطمئن ہو کر ہی آدمی دوسروں کے معاملات میں مداخلت کرتا ہے......... اور مصلح بن جاتا ہے۔ عاصم مرزا کو صفائی کا خبط ہے۔ اپنے گھر' اپنے لان سے نمٹنے کے بعد اسے کوئی اور کام نہیں رہا تو شہر کی صفائی کی سوجھ گئی۔ شہر کی گندی گلیوں' ابلتے ہوئے نالوں اور بدبودار سیاستدانوں نے اسے ایک مصروفیت فراہم کر دی۔ اس نے سماج سدھار کا بیڑا اٹھا لیا۔"

"بات اس سے کچھ سوا ہے۔"

"ممکن ہے......... لیکن میری سمجھ میں نہیں آتی۔" بابر نے کہا۔ "تم چھان بین کرتے رہو۔ دیکھو' کیا سامنے آتا ہے۔"

عدنان' بابر کے کیبن سے نکل آیا۔ بابر کے متعلق سوچ کر اسے ہمیشہ افسوس ہوتا تھا۔ وہ دہری زندگی گزار رہا تھا۔ دفتر میں وہ ایک مستعد ایڈیٹر تھا جسے اپنے کام سے جنون کی حد تک عشق تھا لیکن اس کی گھریلو زندگی بے حد تباہ حال تھی۔ بیوی کو اس نے چند سال پہلے طلاق دے دی تھی......... اور اب وہ نان نفقے کے نام پر اس کی کھال کھینچتی رہتی تھی۔ اس کے دو بچے تھے۔ بیٹی کی شادی ہو چکی تھی اور بیٹا آوارگی میں پڑ گیا تھا۔ وہ ضرورت کے وقت ہی اس کے پاس آتا تھا۔ ہاتھ پھیلائے ہوئے۔ چنانچہ بابر تنہا تھا......... بے حد تنہائی سے بچنے کے لیے اس نے نام نہاد دوست پال لیے تھے اور وہ سب نکمے لوگ تھے۔ محض اپنی ضرورت کی وجہ سے اس کی دوستی کا دم بھرتے تھے۔ وہ صرف تنہائی سے بچنے کے لئے ان پر پیسہ لٹاتا تھا......... اور ان کی قربت میں بھی تنہا رہتا تھا۔

عدنان کو یہ تمام معلومات جبلی طور پر حاصل ہوئی تھیں۔ کیونکہ بابر خود اپنے نجی مسائل پر کبھی گفتگو نہیں کرتا تھا۔ عدنان اس کے لیے کچھ کرنا چاہتا تھا مگر کر کچھ بھی نہیں سکتا تھا۔

بابر اس کا ہیرو' اس کا آئیڈیل تھا۔ وہ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے تباہ ہوتے نہیں دیکھنا چاہتا تھا......... لیکن مجبور تھا۔

☆=====☆=====☆

بابر نے عدنان سے کہا تھا......... تم چھان بین کرتے رہو۔ دیکھو' کیا سامنے آتا ہے۔ لیکن جو کچھ سامنے آیا' وہ بے حد بھیانک تھا۔

رات سوا بارہ بجے رپورٹر انور کے دوست اے ایس آئی نذیر نے فون پر بتایا کہ عاصم مرزا کی شہری اقامت گاہ میں کوئی واردات ہو گئی ہے۔ ایک ایمبولینس' پولیس کی نفری کے ساتھ وہاں بھجوائی گئی ہے۔

عاصم مرزا ایک پُرسکون اور صاف ستھرے مضافاتی علاقے میں رہتا تھا۔ البتہ کسی میٹنگ میں تقریر کی وجہ سے دیر ہو جاتی تو اپنے شہری مکان میں ایک رات قیام کر لیتا تھا۔

عدنان نے اپنی ڈائری میں سے عاصم مرزا کی شہری اقامت گاہ کا ٹیلی فون نمبر نکالا اور تیزی سے ڈائل کیا۔ دوسری طرف سے تیسری گھنٹی پر ریسیور اٹھالیا گیا۔ "ہیلو؟" کسی نے بے حد محتاط لہجے میں کہا۔

"کون بول رہا ہے؟ مجھے عاصم مرزا سے بات کرنا ہے۔" عدنان نے ماؤتھ پیس میں کہا۔



"آپ ان سے بات نہیں کر سکیں گے۔" دوسری طرف سے جواب ملا۔ چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر پوچھا گیا۔ "آپ کون.........؟"

"میں روزنامہ جمہور سے ناصر عدنان بات کر رہا ہوں۔ عاصم مرزا کہاں ہے؟"

"میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتا۔ آپ افسران سے بات کیجئے گا۔"

"ایک منٹ۔" عدنان ماؤتھ پیس میں چلایا۔ "تمہارا تعلق پولیس سے ہے؟"

"جی۔ میں دلربا کالونی تھانے کا کانسٹیبل افسر خان ہوں۔"

"ریسیور مت رکھنا۔" عدنان نے سخت لہجے میں کہا۔ "کیا تم یہاں تنہا ہو۔ مجھے کچھ بتاؤ تو کہ ہوا کیا ہے؟"

"میں سڑک پر گشت کر رہا تھا کہ میں نے ایک شخص کو عاصم صاحب کے گھر سے نکلتے دیکھا۔" کانسٹیبل کا لہجہ کشیدہ تھا۔ "میں نے اس کا پیچھا کیا لیکن اسے پکڑ نہ سکا۔ میں واپس آیا۔ مکان کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ روشنی ہو رہی تھی۔ میں اندر گھسا۔ عاصم صاحب........." وہ کہتے کہتے رک گیا۔ "عدنان صاحب' انسپکٹر صاحب آگئے ہیں۔ میں فون رکھ رہا ہوں۔" اس کے ساتھ ہی رابطہ منقطع ہو گیا۔

عدنان نے ریسیور کریڈل پر رکھا اور انور کی طرف متوجہ ہوا جو اپنے دوست نذیر سے بات کر رہا تھا۔ پھر انور نے شکریہ ادا کر کے ریسیور رکھا اور عدنان کی طرف مڑا۔ "یہ پہلے صفحے کی خبر ہے۔ بابر صاحب کو فون کرو۔" پھر وہ فوٹوگرافر سے بولا۔ "تم میرے ساتھ چلو گے۔"

عدنان جھنجلا گیا۔ کچھ پتا ہی نہیں چل رہا تھا کہ اس کو کیا ہوا ہے۔ "یار' کچھ بتاؤ تو......... ہوا کیا ہے؟" وہ انور پر چڑھ دوڑا۔

"عاصم مرزا نشے میں مدہوش پڑا ہے اور مکان میں ایک لڑکی کی لاش موجود ہے۔" انور نے بتایا۔

"کہیں وہ لڑکی شہلا تو نہیں؟"

"بالکل وہی ہے۔ بلکہ تھی۔ عاصم مرزا نے اس کا گلا گھونٹ کر اسے ختم کر دیا ہے۔"

☆=====☆=====☆

عدنان ٹیکسی سے اترا۔ ایمبولینس کے پاس جو کانسٹیبل کھڑا تھا' وہ اسے جانتا تھا۔ اس سے پتا چلا کہ انسپکٹر شفاعت کیس کا انچارج ہے اور لاش ابھی مردہ خانے نہیں بھجوائی گئی

ہے۔

ایک کانسٹیبل مکان کے دروازے پر تعینات تھا۔ وہ بھی عدنان کو جانتا تھا۔ چنانچہ عدنان بغیر کسی دشواری کے مکان میں داخل ہو گیا۔ اندر رپورٹر انور دھیمی آواز میں کسی سے فون پر گفتگو کر رہا تھا۔ فرش پر شہلا کی لاش بکھری ہوئی تھی۔ کمرے میں شراب کی بو رچی تھی۔ دو پولیس والے عاصم مرزا کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہے تھے۔ دلربا تھانے کا انچارج انسپکٹر شفاعت کمرے میں موجود تھا۔ کانسٹیبل افسر خان، جس سے کچھ دیر پہلے عدنان کی فون پر گفتگو ہوئی تھی، ایک طرف کھڑا اس انداز میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا، جیسے کسی جائے پناہ کا متلاشی ہو۔

ڈاکٹر، جو لاش پر جھکا ہوا تھا، اٹھ کر کھڑا ہوا اور انسپکٹر سے بولا۔ "اب آپ لاش اٹھوا سکتے ہیں۔"

عدنان لاش کو دیکھے جا رہا تھا۔ وہ حسین لڑکی، جو زندگی میں اپنے نقوش اور جسمانی خطوط پر مغرور رہی تھی، بدصورت انداز میں بکھری پڑی تھی۔ حسن کراہت انگیز بدصورتی میں ڈھل چکا تھا۔ اس کا چہرہ سوجا ہوا تھا اور پھٹی پھٹی آنکھیں حلقوں سے ابل آئی تھیں۔ اس کا لباس جا بہ جا پھٹا ہوا تھا۔ لگتا تھا اس نے زندگی کے لیے موت سے شدید جنگ لڑی تھی۔

"اسے لے جاؤ۔" انسپکٹر شفاعت نے لیب کے عملے کو ہدایت دی۔

عدنان، انور کی طرف متوجہ ہو گیا، جو فون پر ادریس کو خبر لکھوا رہا تھا۔ "فی الوقت تو اتنا ہی معلوم ہو سکا ہے۔ میں ابھی تک انسپکٹر شفاعت سے بات نہیں کر سکا ہوں۔ بہرحال عاصم مرزا نشے میں دھت معلوم ہوتا ہے۔ لڑکی مر چکی ہے۔ اس کی حالت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے بھرپور مزاحمت کی ہو گی۔ کیا کہا؟ ہاں......... عاصم مرزا کے چہرے پر کھرونچوں کے نشان ہیں۔ دیکھو......... موقع ملتے ہی میں انسپکٹر سے بات کروں گا۔ ہاں......... ٹھیک ہے........."

عدنان کو حیرت ہوئی کہ انور جیسا رپورٹر ایک اتنی اہم بات نظرانداز کیسے کر سکتا ہے۔ "ایک منٹ۔" اس نے تیز لہجے میں انور کو ٹوکا۔ "اس شخص کے متعلق کیوں نہیں بتاتے، جو اس مکان سے نکل کر بھاگا تھا!"

انور نے خالی خالی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ "کیا مطلب ہے تمہارا؟ مجھے تو کسی نے نہیں بتایا۔"



انسپکٹر شفاعت نے بڑی برہمی سے باری باری عدنان اور انور کو گھورا۔ "زیادہ عقلمند بننے کی ضرورت نہیں۔" اس نے غرا کر کہا۔ "نت نئے زاویے گھڑنے کی کوشش مت کرو۔ تم میری رپورٹ کی بنیاد پر خبر تیار کرو گے۔ فرضی باتیں چھاپیں تو بڑی دشواری میں پڑو گے۔ سمجھے میرے کہے کو سرکاری پریس نوٹ جانو۔"

"میں کوئی زاویہ نہیں گھڑ رہا ہوں انسپکٹر۔ میں تو تمہاری رپورٹ کا منتظر ہوں۔" رپورٹر انور نے نرم لہجے میں کہا۔

انسپکٹر، عدنان کی طرف مڑا۔ "اور تمہارا کیا خیال ہے؟"

کمرے کی فضا پر سنگین خاموشی کا راج تھا۔ سب لوگ عدنان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ "میں کوئی زاویہ نہیں گھڑ رہا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ آج رات ایک شخص اس مکان سے نکلتے دیکھا گیا تھا......... لڑکی کی چیخوں کے فوراً بعد۔" عدنان نے کہا۔

انسپکٹر چند لمحے اسے گھورتا رہا، پھر بولا۔ "اسے نکلتے ہوئے کس نے دیکھا تھا؟"

"کانسٹیبل افسر خان نے۔" عدنان نے جواب دیا۔ پھر وہ افسر خان کی طرف مڑا۔ "میں نے انسپکٹر کی آمد سے پہلے تم سے فون پر بات کی تھی......... اور تم نے مجھے یہ بات بتائی تھی۔ یہ درست ہے نا؟"

افسر خان کا چہرہ تمتما اٹھا۔ "آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں عدنان صاحب؟" اس کے لہجے میں بے بسی تھی۔

خاموشی کچھ اور سنگین ہو گئی۔ عدنان کے جسم میں سرد لہر سی دوڑ گئی۔ یہ لوگ کس چکر میں ہیں؟ اس نے سوچا۔ "تم خوب جانتے ہو افسر خان کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔" اس نے کہا۔ "تم نے اس شخص کا تعاقب بھی کیا تھا مگر اسے پکڑ نہیں سکے تھے۔ بہرحال، تم نے اسے غور سے دیکھا تھا۔ کیا تم اپنی کہی ہوئی بات سے مکر رہے ہو؟"

افسر خان، عدنان سے نظریں ملانے سے گریز کر رہا تھا۔ "میں نے آپ سے صرف اتنا کہا تھا کہ آپ افسران سے بات کریں۔ وہی آپ کو کچھ بتا سکتے تھے۔ لاش دیکھ کر مجھے ویسے ہی جھٹکا لگا تھا۔ مجھ سے ٹھیک طرح بات بھی نہیں کی جا رہی تھی۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے عدنان صاحب۔"

"یہی بات ہے۔" انسپکٹر شفاعت نے جلدی سے کہا۔ "ویسے بھی تم ہم سے آگے نکلنے کی کوشش میں ہو گے۔ افواہیں اسی طرح جنم لیتی ہیں۔ حقائق اسی طرح مسخ ہوتے ہیں۔"

عدنان نے افسر خان کے تمتمائے ہوئے چہرے سے ایک لمحے کو بھی نہیں ہٹائی۔

افسر خان اب واضح طور پر پریشان نظر آرہا تھا۔ "ذرا دہراؤ تو افسر خان!" عدنان نے سخت لہجے میں کہا۔ "تم نے آج یہاں سے کسی شخص کو نکلتے نہیں دیکھا.......... کسی شخص کا ناکام تعاقب نہیں کیا؟"

"وہ پہلے ہی انکار کر چکا ہے۔" انسپکٹر نے مداخلت کی۔

عدنان ہچکچایا۔ وہ سوچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ کیا کرے۔ انسپکٹر شفاعت کو وہ خوب جانتا تھا۔ وہ نہایت غیر جذباتی اور سرد مزاج آدمی تھا۔ اسے انتظامیہ کا چمچہ کہا جاتا تھا۔ یہ بات یقینی تھی کہ وہ ایک اہم شہادت کو دبا رہا تھا تو یہ بھی طے تھا کہ اسے اس سلسلے میں اوپر سے احکامات ملے ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ عاصم مرزا کو پھانسا جا رہا تھا بالآخر چند لمحوں کے بعد وہ ایک نتیجے پر پہنچ گیا۔ "انسپکٹر مجھے افسر خان نے جو کچھ بتایا ہے' وہ اخبار میں ضرور چھپے گا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس نے کیا دیکھا' لیکن اس نے جو کچھ مجھے بتایا وہ میں جانتا ہوں۔"

"تمہارا اخبار نتائج بھی بھگتے گا۔" انسپکٹر نے دھمکی دی۔ "افسر خان بتا چکا ہے کہ تمہیں سننے میں غلط فہمی ہوئی ہے اور وہ خود اپ سیٹ تھا۔"

"ہم یہ بات بھی چھاپ دیں گے۔" عدنان نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔ "افسر خان بیس سال سے اس محکمے میں ہے' سینکڑوں لاشیں دیکھ چکا ہے' مگر ایک لاش دیکھ کر اتنا اپ سیٹ بھی ہو سکتا ہے۔ یہ انکشاف ہمارے قارئین کے لیے بے حد دلچسپ ہو گا۔"

"عدنان صاحب! آپ خواہ مخواہ.........." افسر خان نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

"شٹ اپ!" انسپکٹر نے اسے ڈپٹ دیا۔ "جاؤ......... جو جی چاہے چھاپو۔ یہاں سے دفع ہو جاؤ۔" وہ عدنان پر غرایا۔

"ہم سب کچھ تفصیل سے شائع کریں گے۔" عدنان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "افسر خان کا پہلا بیان' اس کا دوسرا بیان' تمہاری فراہم کردہ رپورٹ' لیکن تمہاری رپورٹ کب ملے گی؟ میئر اور گھنشام کی منظوری کے بعد! اور ان کی اس ہدایت پر عملدرآمد کے بعد حقائق کی رنگت تبدیل کر دی جائے گی۔"

"نکل جاؤ......... نکل جاؤ یہاں سے۔ ورنہ تمہیں پھنکوا دوں گا۔ تم فسادی آدمی ہو......... شرپسند!" انسپکٹر آپے سے باہر ہو گیا۔



"میں شرپسند نہیں ہوں انسپکٹر' فساد بھی نہیں چاہتا۔ میں تو صرف سچ جاننا چاہتا ہوں۔" عدنان نے پُرسکون لہجے میں کہا اور باہر چل دیا۔

باہر نکل کر اس نے فون پر ادریس کو اپنی مکمل رپورٹ ڈکٹیٹ کرائی۔ ادریس نے سب کچھ سننے کے بعد کہا۔ "تم نے عاصم مرزا کی بچت کا اچھا خاصا سامان کر دیا۔ یہاں بابر نے ایمرجنسی نافذ کر رکھی ہے۔ تم یہاں سے کہاں جاؤ گے؟"

"بعد میں بتاؤں گا۔" عدنان نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

☆======☆======☆

دلربا کالونی تھانے میں بھی ہنگامی صورت حال تھی۔ وہاں کے ایس آئی دلدار سے عدنان کی خاصی دوستی تھی۔ افسر خان کی پہلی کال دلدار ہی نے ریسیو کی تھی۔

"میں عاصم مرزا کو ایسا نہیں سمجھتا تھا۔" دلدار نے چھوٹتے ہی کہا۔

"تو کیا سمجھتے تھے؟" عدنان نے پوچھا۔

"سچ تو یہ ہے کہ میری ہمدردیاں اس کے ساتھ تھیں۔ میں نے اس کی تقریریں سنی تھیں۔ وہ معقول آدمی ہے۔ بے حد سچی باتیں کرتا ہے۔"

"افسر خان نے کس وقت فون کیا تھا؟" عدنان نے گفتگو کا رخ بدلا۔

"درست وقت لاگ بک میں درج ہے۔ اندازاً بارہ بج کر دس منٹ ہوئے ہوں گے۔ اس نے عاصم مرزا کے گھر سے فون کیا تھا۔"

"اس نے تمہیں کسی شخص کے تعاقب کے بارے میں بتایا' جسے اس نے عاصم مرزا کے گھر سے نکلتے دیکھا تھا؟"

دلدار نے چند لمحے خاموش رہا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ "اس سوال کا جواب تمہیں انسپکٹر شفاعت ہی دے سکتا ہے۔ افسر کی کال اسی نے ریسیو کی تھی۔ وہ پونے بارہ بجے کے قریب میرے کمرے میں بیٹھا تھا اور کچھ رپورٹوں میں مین میخ نکال رہا تھا۔ فون کی گھنٹی بجی تو اس نے ریسیور اٹھا لیا۔ پھر اس نے مجھے اسپتال فون کر کے عاصم مرزا کے گھر ایمبولینس بھجوانے کا بندوبست کرنے کی ہدایت کی۔ اس نے بتا دیا تھا کہ یہ قتل کی واردات ہے۔"

"کیا انسپکٹر اکثر تمہارے کمرے میں اسی طرح آتا ہے؟"

"نہیں۔ اس کا آفس ہی اس کا دارالحکومت ہے۔" دالدار نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

عدنان اس کا شکریہ ادا کر کے کمرے سے نکل آیا۔ کچھ دیر وہ تھانے میں سن گن لیتا رہا۔ تھانے کا ماحول میلے کا سا تھا۔ بیشتر لبوں پر مسکراہٹیں تھیں۔ چہروں پر سکون کے تاثرات تھے۔ کچھ لوگ معنی خیز انداز میں دوسروں کو کہنی مار رہے تھے۔ سکون اس بات پر تھا کہ اب کرپشن کا کوئی تذکرہ نہیں ہو گا۔ سماج سدھار کی کوئی بات نہیں ہو گی۔ جو اصلاح کا داعی تھا' وہ ایک لڑکی کے قتل کے الزام میں سلاخوں کے پیچھے تھا۔ اس کا مذاق اڑایا جا رہا تھا۔ صفائی کی بات کرنے والوں کے اندر ایسی ہی غلاظت بھری ہوتی ہے ........ مختلف طرز کے تبصرے ہو رہے تھے۔

کچھ دیر بعد عدنان کی نظر رضا پر پڑی۔ اسے دیکھ کر لگا کر وہ کسی دہشت انگیز خواب سے گزر رہا ہے۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ رخساروں پر آنسوؤں کی چھوڑی ہوئی لکیریں تھیں۔ عدنان اس کی طرف بڑھا۔

"مجھ سے تو کچھ سوچا بھی نہیں جا رہا۔" رضا نے بے بسی سے کہا۔ "آپ ہی بتائیے' کیا وہ ایسا کر سکتے ہیں؟ میں تو سوچنے کے قابل بھی نہیں ہوں۔"

"چلو........ باہر چلیں۔" عدنان نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

"مجھے بتائیے' آپ کو یہ الزام سچا معلوم ہوتا ہے؟" رضا کے لہجے میں اصرار تھا۔

"باہر چلو........ تازہ ہوا کھاؤ۔ پھر بات ہو گی۔"

وہ تھانے سے نکل آیا۔ سرد ہوا بے حد خوشگوار لگی۔ عدنان کو رضا کی نااہلی اور کمزوری پر غصہ آ رہا تھا۔ آنسوؤں سے کیا ہوتا ہے! وہ وقت تو جرأت اور حوصلے کا متقاضی تھا۔

"سارے کیے کرائے پر پانی پھر گیا۔" رضا نے رو دینے والے انداز میں کہا۔

"تم نے عاصم مرزا سے بات کی۔ وہ کیا کہتا ہے؟"

"انہوں نے صرف اتنا کہا کہ ان کی بیوی کو ان سے نہ ملنے دیا جائے۔"

"اور کچھ؟"

"کچھ نہیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا ہو رہا ہے۔"

"آ جائے گا سمجھ میں۔" عدنان نے کہا۔ "میں نے لیب والوں سے بات کی ہے۔ شہلا کے ناخنوں میں عاصم مرزا کی جلد کے ٹکڑے پائے گئے ہیں۔ عاصم مرزا کے معدے میں شراب کی خاصی مقدار تھی۔ شہلا کا گلا گھونٹا گیا ہے۔ یہ ہیں حقائق۔"

"میں یقین نہیں کر سکتا۔ وہ ایسے نہیں ہو سکتے۔"



"ہاں' یہ انداز بہتر ہے۔ ایسی ہی باتیں کرتے رہو۔"

رضا کی آنکھوں میں امید سی چمکی۔ "آپ کوئی ایسی بات جانتے ہیں' جس سے مرزا صاحب کی مدد ہو سکتی ہو؟"

عدنان نے ایک لمحے کی ہچکچاہٹ کے بعد جواب دیا۔ "مکمل کہانی ہی مدد دے سکتی ہے اور میں اسے مکمل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ چلو' اب ذرا اندھے انصاف کی کارکردگی کا تماشا بھی دیکھ لیں۔"

☆======☆======☆

مجسٹریٹ نے ابتدائی کارروائی کے دوران عاصم مرزا کی درخواست ضمانت مسترد کر دی اور کیس فل بنچ کو ریفر کر دیا۔ ابتدائی کارروائی میں کانسٹیبل افسر خان نے اپنی شہادت کے دوران ایک بار بھی نظر نہیں اٹھائی۔ اس نے بتایا کہ اس نے عاصم مرزا کے گھر سے نسوانی چیخوں کی آواز سنی اور گھر کی طرف لپکا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ اندر گھس گیا۔ وہاں اس نے عاصم مرزا کو مدہوش اور لڑکی کو مردہ پایا۔ اس نے کہا کہ اس نے گھر کے آس پاس کسی کو بھی نہیں دیکھا۔

اس کے بعد کارروائی کی رفتار بے حد تیز تھی۔ پولیس سرجن نے شہادت دی کہ عاصم مرزا نے شراب پی تھی۔ لیب مین نے کھرونچوں کے بارے میں بتایا کہ وہ عاصم مرزا کے چہرے پر مقتولہ ہی نے لگائے تھے۔ عاصم مرزا نے کوئی بیان نہیں دیا۔ اس کے وکیل نے کسی گواہ پر جرح نہیں کی۔

فیصلے کے بعد عاصم مرزا کو جیل لے جانے کے لیے باہر لایا گیا۔ عدنان اسے بہ غور دیکھ رہا تھا۔ وہ لوگوں کی بڑبڑاہٹوں کے درمیان بے تاثر چہرہ لیے آگے بڑھ رہا تھا۔ اچانک کوئی چیخا........ "ہٹو........ راستہ دو مجھے"........ اور پھر کوئی مجمع میں راستہ بناتا عاصم مرزا کی طرف بڑھا۔ اس نے عاصم کے منہ پر گھونسا مارا۔

عاصم کا ہونٹ پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔ اسے لے جانے والے سپاہیوں نے نیم دلی سے حملہ آور کو پرے دھکیلا۔

فلیش بلب چمکے........ اور اسی لمحے عدنان نے حملہ آور کو پہچانا۔ وہ جابر تھا۔ شہلا کا بوائے فرینڈ۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ اس نے سپاہیوں کو دھکیلا اور دوبارہ عاصم مرزا پر جھپٹا۔ "تو نے صرف اس لیے اسے قتل کر دیا کہ اس نے تیری مکروہ خواہشوں کے سامنے سر نہیں جھکایا تھا۔ تو انسان نہیں' جانور ہے درندے!" وہ دہاڑا۔

سپاہی اسے ہٹانا چاہتے تھے مگر انسپکٹر شفاعت کی نظروں کے اشارے پر ساکت ہو گئے۔ تھوڑا سا اور ڈراما عاصم مرزا کی ساکھ کو بالکل ہی تباہ کر سکتا تھا۔

"تُو اپنے غلیظ ہاتھوں سے اسے چھونا چاہتا تھا۔" جابر بدستور دہاڑ رہا تھا۔ "تُو پاک باز بنتا ہے۔ سمجھتا ہے کہ اندر کی غلاظت کسی کو نظر نہیں آئے گی۔"

اس بار انسپکٹر شفاعت کے اشارے پر سپاہیوں نے جابر کو جکڑ لیا اور اسے عاصم مرزا سے دور لے گئے۔ اب وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا اور اخباری فوٹوگرافر اس کے آنسوؤں کی تصویریں بنا رہے تھے۔

عدنان نے باہر نکل کر ادریس کو فون کر کے رپورٹ لکھوا دی۔

"بہت جان دار خبر ہے۔" ادریس نے کہا۔ "لیکن تمہارے لیے ایک پیغام ہے۔ بابر صاحب نے فوری طور پر تمہیں طلب کیا ہے۔ افسر خان والے معاملے میں کچھ الجھن پیدا ہو گئی ہے۔ ایس پی صاحب نے اس سلسلے میں فون پر بابر صاحب سے بات کی ہے۔ بابر صاحب نے تمہاری رپورٹ سے وہ حصہ حذف کر دیا ہے، جس میں افسر خان کے ناکام تعاقب کا تذکرہ تھا۔ تم جلدی سے آجاؤ۔"

"تو عاصم مرزا کی بچت کا واحد امکان بھی گیا۔" ناصر عدنان نے سرد آہ بھر کے کہا۔ "بلکہ اسی امکان کو پھانسی کے پھندے میں تبدیل کر دیا گیا۔ خیر...... میں آرہا ہوں۔"

☆======☆======☆

"تو عاصم مرزا کو پھنسایا گیا ہے...... لیکن بہت مؤثر انداز میں۔" بابر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اب ہمیں کیا کرنا ہے؟" عدنان نے پوچھا۔

"ہم عاصم مرزا کو بچائیں گے۔ یہ اب تک کی سب سے بڑی خبر ہے...... اور میں اسے مکمل دیکھنا چاہتا ہوں...... اس طرح کہ کوئی دوسرا اخبار اسے چھو بھی نہ سکے۔ اب مجھے تفصیل سے بتاؤ کہ افسر خان نے فون پر تمہیں کیا بتایا تھا۔"

عدنان نے افسر خان سے گفتگو اور اس کے مکرنے سے اب تک کی تمام تفصیل اپنے تجربے کار ایڈیٹر کو سنا دی۔

"شفاعت نے سوچا بھی نہیں ہو گا کہ کوئی رپورٹر، عاصم کے گھر فون کر کے افسر خان سے بات بھی کر سکتا ہے۔" بابر نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "اس نے بعد میں افسر خان کو ڈرا دھمکا کر بیان بدلوایا ہو گا۔"



"یہ میرا منصب تو نہیں۔ مگر میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم نے میری مکمل رپورٹ شائع نہیں کی۔"

"میں اپنا ایمونیشن افسر خان اور انسپکٹر شفاعت جیسے چھوٹے لوگوں پر ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ میں قاتل کے متعلق جاننا چاہتا ہوں...... اور یہ جاننا چاہتا ہوں کہ قاتل کو معاوضہ کس نے ادا کیا ہے؟ یہ ہے اصل کہانی، میں جس کے چکر میں ہوں۔ یہ سامنے آئے گی تو لوگ انگشت بہ دنداں رہ جائیں گے۔ ان میں گھنشام داس اور ہمارے میئر صاحب بھی ہوں گے۔ یاد رکھو عدنان، ایک اچھے اور برے ایڈیٹر میں فرق صرف جانچنے والی نظر اور قوت فیصلہ کا ہوتا ہے۔ خبریں تو سبھی چھاپ دیتے ہیں۔ ایک جیسی خبریں۔ مگر خبر کے نیچے...... بہت نیچے چھپی ہوئی اصل خبر کا امکان بھانپنا اور پھر اس پر کام کر کے اسے کھود نکالنا...... یہ کام بڑا ایڈیٹر ہی کر سکتا ہے۔ اور میں بڑا ایڈیٹر ہوں۔"

عدنان کو احساس تھا کہ اگر جمہور، عاصم مرزا کے لیے لڑتا ہے تو اس کی بچت کا خاصا امکان ہو جائے گا۔ "بابر بھائی......! اس بار ہم حق کے لیے لڑ رہے ہیں۔" اس نے کہا۔

"بچکانہ باتیں مت کرو۔ چھپی ہوئی خبر کی جستجو کے پیچھے اور کچھ نہیں، محض میری خود غرضی ہے۔ مجھے معاشرے کی اصلاح اور اخلاق کے سدھار سے کوئی دلچسپی نہیں۔ عاصم مرزا جیسے لوگ مجھے بور کرتے ہیں۔"

"تم کچھ بھی کہو، بابر بھائی۔ یہ کام ہے بہت بڑا...... اور معاشرے کے لیے سود مند بھی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ایسی تعریف تمہیں خجل کر دیتی ہے۔"

"تمہارا کام قاتل کو تلاش کرنا ہے۔" بابر نے اس کی بات سے متاثر ہوئے بغیر خشک لہجے میں کہا۔ "لیکن محتاط رہنا اور مجھے باخبر رکھنا۔" اس نے نرمی سے عدنان کے رخسار کو چھوا۔ "مجھے عاصم مرزا کی کوئی پروا نہیں لیکن میں تمہیں کھونا نہیں چاہوں گا۔ چلو، بس اب کام شروع۔"

☆======☆======☆

عدنان نے دستک دی۔ "کون ہے؟" شبانہ نے پوچھا۔

اس کی آواز سے عدنان کو اندازہ ہو گیا کہ اسے شہلا کے قتل کا علم ہو چکا ہے۔ وہ خوفزدہ تھی۔

"میں ہوں ناصر عدنان۔ مجھے تم سے کچھ بات کرنا ہے۔"

شبانہ نے دروازہ ذرا سا کھولا اور بولی۔ "میں کچھ نہیں جانتی۔ یقین کرو، میں تمہاری

کوئی مدد نہیں کر سکوں گی۔"

"میرا تعلق پولیس سے نہیں' اس لیے تم مجھ سے بات کرنے پر مجبور نہیں ہو لیکن میری خواہش ہے کہ تم میرے ساتھ تعاون کرو۔"

"ٹھیک ہے۔ آجاؤ۔" شبانہ نے دروازہ پوری طرح کھول دیا۔

"تمہیں کب پتا چلا؟" عدنان نے صوفے پر بیٹھنے کے بعد پوچھا۔

شبانہ نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر انہیں تر کیا اور بولی۔ "مجھے شہلا کے ایک دوست سے پتا چلا۔"

"پولیس یہاں آچکی ہے؟"

"ہاں' مجھ سے انہوں نے شہلا کی امی کا پتا لیا تاکہ انہیں مطلع کیا جا سکے۔ پھر اخباری نمائندے اور فوٹوگرافر آگئے........"

"یہ سب کچھ بے حد ناخوشگوار رہا ہوگا؟"

"میں سوائے شہلا کے کچھ اور سوچ ہی نہیں پا رہی ہوں۔"

شبانہ اٹھی اور اضطراب کے عالم میں ٹہلنے لگی۔ "وہ بہت تیز تھی........ محنتی بھی تھی۔ مگر سب کچھ ختم ہو گیا۔ اور یہ فلیٹ اس کی چیزوں سے........ اس کے وجود سے لبالب بھرا ہوا ہے۔ سب کچھ ویسا ہی ہے' جیسا وہ چھوڑ کر گئی تھی۔ بس وہ خود لوٹ کر نہیں آئی۔" اس کے لہجے میں دل گرفتگی تھی۔

"تم نے اس روز مجھے بتایا تھا کہ وہ خوفزدہ ہے۔ اس سے تمہارا کیا مطلب تھا؟" عدنان نے پوچھا۔

"پتا نہیں۔ بس وہ میرا اندازہ تھا۔" شبانہ نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "پہلے میں سمجھی تھی کہ یہ اعصابی دباؤ ہے۔ فون کی گھنٹی بجتی' دروازے پر دستک ہوتی تو وہ بری طرح چونکتی۔ آپ نے تو اس روز دیکھا ہی تھا۔ وہ بکھرتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔"

"خوف کیسا تھا وہ؟"

"مجھے علم نہیں۔ اس نے مجھے بتایا بھی نہیں لیکن اتنا جانتی ہوں کہ اس خوف کا تعلق اس کام سے تھا' جو ان دنوں وہ کر رہی تھی۔ گزشتہ رات ایک شخص اس سے ملنے آیا تھا۔ اس وقت بھی وہ خوفزدہ تھی۔ وہ انکار کر رہی تھی لیکن اس کا ملاقاتی اصرار کیے جا رہا تھا۔"

"وہ شخص کون تھا؟" عدنان نے پوچھا۔



شبانہ نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ عدنان کو اس کی آنکھوں میں خوف کے سائے پھیلتے بڑھتے نظر آئے۔ وہ خوفزدہ تھی' زبان نہیں کھولنا چاہتی تھی۔ "بتاؤ نا........ وہ کون تھا؟" اس نے اصرار کیا۔ "تم کس سے خوفزدہ ہو؟"

"میں بلاوجہ دشواریوں میں پڑنا پسند نہیں کرتی۔"

عدنان ایک لمحے کو ہچکچایا۔ وہ جانتا تھا کہ شبانہ پر اعتبار کرنا غلطی ہو گی۔ اس نے یقیناً جرائم کے ناول پڑھے ہوں گے۔ اس کا خیال ہو گا کہ پولیس یا صحافیوں سے تعاون جرائم پیشہ لوگوں کو کبھی قبول نہیں ہوتا۔ وہ کسی بھی طرح اس تاثر کو نہیں مٹا سکتا تھا۔ پھر اس نے خطرہ مول لینے کا فیصلہ کر لیا۔ "غور سے سنو۔ میں تم پر اعتماد کر کے یہ بات بتا رہا ہوں۔ اس اعتماد کا پاس رکھنے کی کوشش کرنا۔ شہلا کا قاتل آزاد پھر رہا ہے۔ ایک بے قصور شخص اس کے قتل کے الزام میں دھر لیا گیا ہے۔ سچائی سامنے نہ آئی تو اسے پھانسی چڑھا دیا جائے گا' اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ اگر کچھ جانتی ہو تو زبان بند نہ رکھو۔"

شبانہ سر جھکا کر گود میں رکھے اپنے ہاتھوں کو گھورتی رہی۔

"میں کچھ جانتی ہی نہیں۔" چند لمحے بعد اس نے مدافعانہ انداز میں کہا۔

"گزشتہ رات شہلا سے ملنے کون آیا تھا؟ وہ شہلا سے کیا چاہتا تھا؟ شہلا خوف زدہ کیوں تھی؟ ان سوالوں کے جواب تم ہی دے سکتی ہو۔"

"تمہیں صرف خبر سے دلچسپی ہے۔ تمہارا کام بھی یہی ہے۔ خبر بناؤ گے تو تنخواہ بھی بڑھے گی اور پیٹھ بھی تھپکی جائے گی۔ میں تمہاری واہ واہ کے لیے خود کو مصیبت میں کیوں پھنساؤں!"

"مجھ پر لعنت بھیجو۔ یہ سوچو کہ ایک بے گناہ کو سزائے موت ہو سکتی ہے۔" عدنان نے جھنجلا کر کہا۔ "اور یہ نہ سمجھو کہ انگریزی ناولوں کی طرح یہ کوئی مافیا کی جنگ ہے۔ مجھ پر اعتماد کرو۔ میں تمہارے تحفظ کی ذمے داری لیتا ہوں۔ اور جو کچھ تم بتاؤ گی' وہ شائع بھی نہیں ہو گا اور اگر تم مجھ پر اعتماد نہیں کر سکتیں تو پولیس کو حقیقت بتا دو۔ جا کر گورنر سے مل لو۔ یہ کسی چھوٹے آدمی کا معاملہ نہیں' ایک بڑا آدمی مشکل میں ہے........ اور وہ صرف بڑا نہیں' مثالی آدمی بھی ہے۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی اور بجتی رہی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو آنکھوں میں دیکھتے رہے۔ شبانہ اٹھنے لگی مگر عدنان نے اس کی کلائی مضبوطی سے تھام لی۔ "پہلے میرے سوال کا جواب دو۔ گزشتہ رات شہلا سے ملنے آنے والا کون تھا؟" اس نے کہا۔ شبانہ کے

جسم کی لرزش بے حد واضح تھی۔ عدنان نے ایک سرد آہ بھری اور اس کی کلائی چھوڑ دی۔ "ٹھیک ہے۔ پہلے فون کا جواب دو۔" اس کے لہجے میں بے بسی تھی۔

شبانہ انسٹرومنٹ کی طرف بڑھ گئی۔ عدنان نے سگریٹ سلگا لیا۔ اس کے کان شبانہ کی گفتگو پر لگے ہوئے تھے۔ "ہاں........ جی ہاں........" شبانہ نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ پھر چند لمحے وہ سنتی رہی۔ "ٹھیک ہے۔ میں سمجھ گئی۔" اس نے آخر میں کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑی رہی۔ اس کے چہرے پر زردی پھیل گئی تھی۔

"کس کا فون تھا؟" عدنان نے سرسری انداز میں پوچھا۔

"ایک دوست تھا۔"

"خیر........ ہم کیا بات کر رہے تھے۔ ہاں ........ شہلا اس کام سے خائف تھی' جو اسے انجام دینا تھا۔" عدنان نے اس یاد دلایا۔

"وہ تو میرا اندازہ تھا' جو غلط بھی ہو سکتا ہے........ بلکہ غلط ہی تھا۔"

"اور اس شخص کے بارے میں کیا کہتی ہو' جو رات شہلا کے پاس آیا تھا؟"

"اس کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں۔"

"تم نے اسے دیکھا تھا۔"

"نہیں۔ میں اس وقت بیڈ روم میں تھی۔"

"تمہیں یاد ہے' پچھلی بار تم نے مجھے بتایا تھا کہ اس رات جابر' شہلا سے ملنے آیا تھا؟" عدنان نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

شبانہ نے جلدی سے نفی میں سر ہلا دیا۔ "یقین سے نہیں کہہ سکتی۔ میں نے صرف آواز سنی تھی اور فرض کر لیا تھا کہ وہ جابر ہے۔"

"اس بار بھی تم بیڈ روم میں ہو گی۔ کیا شہلا تمہیں اپنے دوستوں سے متعارف نہیں کراتی تھی؟"

"میرا مضحکہ اڑا رہے ہو۔ پلیز........ میرا پیچھا چھوڑ دو۔"

"فون کس کا تھا؟"

"میں نے کہا نا' میرے ایک دوست کا تھا۔"

عدنان نے اٹھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "افوہ........ یہ تو سرد ہو رہا ہے بالکل۔ تمہارا چہرہ سپید پڑ گیا ہے۔ ہونٹ لرز رہے ہیں۔ تمہارے دوست بھی خوب ہیں ایک کال کے ذریعے تمہارا یہ حشر کر دیتے ہیں۔ کیا کہا تھا تمہارے دوست نے فون پر؟ منہ بند



رکھو........ یا زبان ہلانے سے پہلے خوب سوچ لینا؟"

شبانہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس بار اس کی آنکھوں میں ندامت تھی اور چہرے پر احساس جرم کے سائے۔ تاہم وہ بولی تو اس کا لہجہ تلخ بھی تھا اور سخت بھی۔ "ممکن ہے' یہی کہا ہو اس نے تمہیں کہا۔ تم خود پولیس کے پاس چلے جاؤ۔ انہیں تنخواہ ہی قاتلوں کو پکڑنے کی ملتی ہے۔ میں تو گلوکاری سے اپنا پیٹ پالتی ہوں۔"

"اور میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ عنقریب تمہاری تنخواہ بڑھنے والی ہے۔" عدنان نے کاٹ دار لہجے میں کہا۔

شبانہ کے چہرے پر پھر احساس جرم کے سائے لہرائے۔ "مجھے مت ستاؤ۔ میں خوفزدہ ہوں........ اور اس خوف پر مجھے کوئی شرمندگی نہیں۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ "میں کمزور اور کم ہمت ہوں۔ چاہو تو تم مجھے یہ طعنہ دے سکتے ہو۔ نہ میں جوڈو جانتی ہوں اور نہ ہنٹر والی ٹائپ کی کوئی فلمی ہیروئن ہوں' اسی لیے اپنے کام سے کام رکھتی ہوں۔"

عدنان چند لمحے اسے تکتا رہا لیکن شبانہ نے نظریں نہیں ملائیں۔ بالآخر عدنان نے کہا۔ "شاید تمہاری جگہ میں ہوتا تو یہی کچھ کہتا لیکن یقین سے کہہ رہا ہوں کہ کرتا کچھ اور بہرحال اگر تمہارا ارادہ بدل جائے تو مجھے اخبار کے دفتر فون کر دینا اور عاصم مرزا کے بارے میں سوچتی رہنا۔ وہ اپنا کیریئر' عزت' ساکھ' گھربار ہرچیز' حتیٰ کہ اپنی زندگی سے بھی محروم ہونے والا ہے' اور وہ بھی تم جتنا ہی معصوم ہے۔ کلب میں گانے گاتے ہوئے اس کے بارے میں سوچتی رہنا۔"

"تم میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟" شبانہ کی آنکھیں بھر آئیں۔

"میں جا رہا ہوں۔ تم جب چاہو' روزنامہ جمہور کے دفتر مجھے فون کر سکتی ہو۔"

☆=====☆=====☆

عاصم مرزا نے تردید کی کہ گزشتہ رات اس نے شراب پی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ اس نے زندگی میں کبھی شراب کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ اس نے بتایا کہ شہلا نے گیارہ بجے فون کر کے اس سے ملاقات کی التجا کی تھی۔ اس نے ملاقات کی ہامی بھر لی تھی۔ کیونکہ شہلا اسے شہر کے بدنام ترین جوئے کے اڈوں کے بارے میں معلومات فراہم کر رہی تھی۔ شہلا آئی تو بہت نروس معلوم ہو رہی تھی۔ پھر کسی نے پیچھے سے اس کے سر پر ضرب لگائی۔ اس کے بعد کیا ہوا' اسے کچھ علم نہیں۔

پولیس سرجن نے عاصم مرزا کے سر کی چوٹ کا معائنہ کر کے فیصلہ کیا تھا کہ زخم

کنپٹی پر ہے اور یہ کہ وہ کسی وار کا نتیجہ بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ گرا ہو اور کسی چیز سے ٹکرانے کی وجہ سے وہ زخم آیا ہو۔

دوسری طرف شہلا کے پھٹے ہوئے کپڑے ہاتھاپائی کی کہانی سناتے تھے۔ اس بات کا امکان تھا کہ ہاتھاپائی کے دوران عاصم مرزا لڑکھڑا کر گرا ہو اور میز کے کونے یا ایسی کسی چیز سے ٹکرا کر زخمی ہوا ہو۔

عدنان نے اخبار ایک طرف رکھا اور دراز کھول کر وہ کالم نکالے' جو اس نے ایڈوانس لکھ رکھے تھے۔ اس نے ایک کالم منتخب کر کے بابر کی طرف بھجوایا۔ امکان یہ تھا کہ عاصم مرزا کیس کی مصروفیت میں وہ کالم نہیں لکھ سکے گا اور تمام اسٹاک کالم صرف ہو جائیں گے۔ وہ پورا دن سوتا رہا تھا۔

وہ دفتر سے نکل آیا۔ کچھ دیر بعد وہ کچی بستی میں ایک دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ دروازہ ایک خاتون نے کھولا۔ اسے غور سے دیکھنے پر ہی اندازہ ہوتا تھا کہ وہ جتنی معمر نظر آرہی ہے' درحقیقت اتنی ہے نہیں۔

عدنان نے اپنا تعارف کرایا۔ خاتون مسکرائی۔ "جی ہاں' میں اخبار میں آپ کا کالم پڑھتی ہوں۔ وہ بھی اکثر آپ کا ذکر کرتے ہیں۔"

"جی ہاں۔ میں افسر خان کو برسوں سے جانتا ہوں۔ یہ بتایئے' افسر خان موجود ہیں؟"

"جی نہیں' لیکن آپ اندر آیئے۔ میں آپ کو چائے پلائے بغیر نہیں جانے دوں گی۔" خاتون نے کہا۔ پھر وہ عدنان کو ٹین کی چھت والے کمرے میں لے آئی۔ کمرے میں چند کرسیاں پڑی تھیں۔ ایک میز تھی' جس پر چند رسالے پڑے تھے۔

"افسر خان کہاں ہیں؟" عدنان نے پوچھا۔

"انہیں تفریحی الاؤنس کے ساتھ بیس دن کی چھٹی ملی تھی۔ وہ تو گھومنے پھرنے گئے ہیں۔ آپ کو تو معلوم ہی ہو گا' اگلے مہینے وہ ریٹائر ہو رہے ہیں۔ میں نے بھی کہا' اچھا ہے' ریٹائر ہونے سے پہلے کچھ تفریح کر لیں۔"

"جی ہاں' نہایت مناسب بات ہے۔ ویسے وہ گئے کہاں ہیں؟"

"کہیں بھی ایک دن سے زیادہ نہیں رکیں گے وہ۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ کب کہاں ہوں گے۔" افسر خان کی بیوی نے جواب دیا۔ "آپ بیٹھیں' میں چائے بناتی ہوں۔"

"گیس ہے اس علاقے میں؟"



افسر خان کی بیوی ایک لمحے کو الجھی' پھر بولی۔ "نہیں۔ میں بتیوں والا چولہا جلاتی ہوں۔ میں ابھی چائے لائی۔" یہ کہہ کر وہ کمرے سے چلی گئی۔

عدنان نے گیس کے متعلق بے سبب نہیں پوچھا تھا اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ چائے کے نام پر اسے کم از کم دس پندرہ منٹ کی مہلت مل گئی ہے۔ افسر خان لاولد تھا چنانچہ اس کی بیوی کی کچن میں مصروفیت کے بعد عدنان کو ڈسٹرب کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ افسر خان سے بات کرنے آیا تھا اور اب اسے افسر خان کا اتا پتا درکار تھا۔ وہ اٹھا اور اِدھر اُدھر کچھ تلاش کرنے لگا۔ بالآخر الماری میں اسے اپنے کام کی چیز مل گئی۔ وہ ایک کاغذ تھا جس پر افسر خان نے شاید اپنی بیوی کے لیے وہ پتا لکھا تھا جس پر اس سے رابطہ کیا جا سکتا تھا۔ عدنان نے پتا ذہن نشین کیا۔ کمرا نمبر213 شادمان ہوٹل' امیرپور۔ پھر اس نے کاغذ وہیں رکھا اور الماری بند کر دی۔

چائے پینے کے بعد وہ افسر خان کی بیوی کا شکریہ ادا کر کے باہر نکل آیا۔

☆=====☆=====☆

امیرپور' خیر آباد سے اسّی میل دور تھا۔ دو گھنٹے بعد عدنان شادمان ہوٹل کے کمرہ نمبر 213 کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ "کون ہے؟" اندر سے افسر خان نے پوچھا۔

"میں عدنان ہوں۔ دروازہ کھولو۔ مجھے تم سے ضروری بات کرنا ہے۔"

دروازے کا لٹو گھوما' دروازہ تھوڑا سا کھلا۔ افسر خان نے اسے دیکھا اور پھر دروازہ پوری طرح کھول دیا۔ "آؤ........ اندر آجاؤ۔"

عدنان کے کمرے میں داخل ہونے کے بعد افسر خان نے دروازہ بند کر دیا۔ "اس طرف کیسے نکل آئے آپ؟" اس نے عدنان سے پوچھا۔

"وجہ تم خوب جانتے ہو۔"

"ہاں........ جانتا ہوں۔" افسر خان نے آہ بھر کے کہا۔

"تم نے جھوٹ بولا اور تمہارا یہ جھوٹ کسی کے لیے جان لیوا بھی ہو سکتا ہے۔" عدنان نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "اگر ایسا ہوا تو عمر بھر ضمیر پر بوجھ لیے پھرو گے۔ زندگی عذاب ہو جائے گی تمہاری۔"

"میرے محکمے والے جانتے ہیں کہ میں چرس کی لت میں پڑ گیا ہوں۔ وہ ایک منٹ میں میری سروس ختم کر سکتے ہیں۔ انسپکٹر شفاعت نے مجھے یہی دھمکی دی تھی۔ میں اور کیا کر سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے سچ کو جھٹلا دیا۔ کہہ دیا کہ میں نے عاصم مرزا کے گھر کے قریب

کسی کو بھی نہیں دیکھا۔ میں نے مجسٹریٹ کے سامنے بھی جھوٹی گواہی دی۔ میری پنشن کا وقت قریب ہے۔ میں عزت سے ریٹائر ہونا چاہتا ہوں۔" افسر خان کے لہجے میں بے بسی تھی اور نگاہوں میں التجا۔

"میں تمہاری پوزیشن سمجھ رہا ہوں افسر خان۔" عدنان نے نرم لہجے میں کہا۔

"میں برا پولیس مین نہیں رہا...... اچھا بھی نہیں رہا۔ میں نے کبھی کسی کی بے عزتی نہیں کی۔ کبھی کسی کو تنگ نہیں کیا۔ شاید اسی لیے مجھے ترقی بھی نہیں ملی۔ مجھے کبھی اپنی اہلیت ثابت کرنے کا موقع نہیں ملا۔ تم سمجھ رہے ہو نا؟"

"سمجھ رہا ہوں۔ اب تمہیں خود کو ثابت کرنے کا موقع ملا ہے۔ مجھے تفصیل سے بتاؤ، شہلا کے قتل کی رات کیا ہوا تھا؟"

"میں نے اس کی چیخ سنی۔ میں ریجنٹ اسکوائر کی طرف مڑا ہی تھا۔ میں نے بھاگنا شروع کیا لیکن اس کی چیخیں گھٹ گئی تھیں۔ میں عاصم مرزا کے دروازے پر پہنچ کر ٹھٹکا۔ بڑے لوگوں کے گھروں میں یونہی تو نہیں گھس جایا کرتے۔ میں دروازے پر کھڑا سوچتا رہا کہ کہیں میرے کان تو نہیں بجے تھے۔ پھر اچانک دروازہ کھلا اور ایک شخص باہر نکلا۔ میں نے اسے واضح طور پر دیکھا۔ وہ مجھے دیکھ کر حیران ہوا اور ایک لمحے کو جھجکا۔ وہ بھاری بھرکم آدمی تھا...... سیاہ بال اور کرخت چہرے والا...... گوریلے جیسا۔ اس کی پیشانی پر زخم کا نشان تھا۔ پھر اس نے مجھے دھکا دیا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ میں نے اس کا پیچھا کیا مگر پکڑ نہ سکا۔"

"ٹھیک، پھر تم عاصم مرزا کے مکان میں واپس آئے؟"

"ہاں۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ عاصم مرزا کرسی پر بے ہوش پڑا تھا۔ شہلا مر چکی تھی۔ اس کا چہرہ سوجا ہوا تھا۔ میں نے تھانے فون کیا۔ فون انسپکٹر شفاعت نے اٹھایا۔ اس نے کہا کہ چوکنا رہوں۔ پھر آپ کا فون آگیا۔ میں نے آپ کو فرار ہونے والے کے متعلق بتایا۔ بعد میں انسپکٹر کو بھی بتایا۔ انسپکٹر نے کہا کہ میری بہتری اسی میں ہے کہ میں نے جو کچھ دیکھا ہے، اسے بھول جاؤں۔ چنانچہ میں نے جھوٹ بولا مگر اب یہاں چھپا ہوا سوچ رہا ہوں کہ یہ بوجھ میں ساری زندگی کیسے اٹھائے پھروں گا۔ میری وجہ سے ایک بے قصور شخص کو سزائے موت ہو جائے گی۔"

افسر خان نے سگریٹ سلگایا۔ کمرے میں ناگوار بو پھیل گئی۔ عدنان کو اس پر ترس آنے لگا۔



"اب بتاؤ، میں کیا کروں؟" افسر خان نے کہا۔

"تم سچ بول سکتے ہو۔ انسپکٹر شفاعت تمہیں جھٹلائے گا۔"

"میں کسی طرح عاصم مرزا کے کام نہیں آسکتا؟" افسر خان کے لہجے میں حسرت تھی۔

"میں تمہاری بتائی ہوئی کہانی شائع کروں گا۔ اس طرح عاصم مرزا پر دباؤ کچھ کم ہو جائے گا لیکن بدمعاشوں کے وفادار پولیس والے تمہارے پیچھے پڑ جائیں گے۔ وہ تمہیں جھوٹا اور نشے باز قرار دے کر نکال دیں گے۔ وہ تمہاری پنشن بھی روک دیں گے۔"

"آپ نے بہت خراب صورت حال بیان کی ہے۔"

"ہم ایک دوسرے سے صرف سچ بول رہے ہیں۔" عدنان نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ "کسی کو معلوم ہے کہ تم یہاں ہو؟"

"صرف میری بیوی کو پتا ہے۔ انسپکٹر شفاعت نے تفریحی الاؤنس اور چھٹی دلوانے کے بعد مجھ سے کہا تھا...... کہیں بھی چلے جاؤ مگر کچھ دن اس شہر سے دور رہو۔"

"ٹھیک ہے۔ تم یہیں جمے رہو۔ میں رات ساڑھے آٹھ بجے کے قریب تمہیں فون کروں گا۔ پھر تمہیں آئندہ کے لیے ہدایات دوں گا۔ میں کوشش کروں گا کہ میرا اخبار تمہارے نقصانات کی تلافی کر دے۔ پستول ہے تمہارے پاس؟"

"ہاں، ہے اور اب مجھے اپنے نقصان کی کوئی پروا نہیں۔ ضمیر پر بوجھ سب سے بڑا نقصان ہے۔"

"تو میں چلتا ہوں۔" عدنان نے اٹھتے ہوئے کہا۔

☆=======☆=====☆

عدنان پانچ بجے اپنے دفتر پہنچا۔ بابر اپنے کمرے میں موجود نہیں تھا۔ چھ بجے اس نے بابر کے گھر فون کیا مگر بڑی عجیب بات تھی، وہ گھر پر بھی موجود نہیں تھا۔ سات بجے اس نے دوبارہ کوشش کی۔ اس بار بابر مل گیا۔

"میرے پاس ایک اہم خبر ہے۔" عدنان نے کہا۔ "مجھے کانسٹیبل افسر خان کا پتا چل گیا ہے۔"

"تو وہ کھویا ہی کب تھا؟" بابر نے چڑ کر کہا۔

"اسے گواہی کے فوراً بعد شہر سے باہر بھیج دیا گیا تھا مگر میں نے اسے تلاش کر لیا ہے۔ وہ امیر پور کے شادمان ہوٹل میں مقیم ہے۔ کمرہ 213 اور وہ اشاعت کے لیے بیان

دینے پر بھی آمادہ ہے۔ وہ سب کچھ بتا دے گا۔"

"واہ........ یہ تو واقعی بڑا کام کیا ہے تم نے۔ اسے یہیں بلوا لو۔ میں کسی ہوٹل میں اس کے لیے کمرہ بک کرا دیتا ہوں۔ تم رات بھر میں اس سے بیان لے لینا اور ہاں........ کسی کو اس کے متعلق پتا نہ چلے۔ صبح کے شمارے میں ہم دھماکا کر دیں گے۔"

"اوکے باس۔" عدنان نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ پھر اس نے شادمان ہوٹل کے لیے کال بک کرا دی۔ پونے نو بجے کے قریب رابطہ ملا۔

"آپ کو کس سے بات کرنا ہے؟" دوسری طرف سے آپریٹر نے پوچھا۔

"کمرہ نمبر213 میں افسر خان سے۔"

دوسری طرف چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر آپریٹر نے پوچھا۔ "آپ کون صاحب بول رہے ہیں؟"

"روزنامہ جمہور سے ناصر عدنان۔"

"ایک منٹ پلیز۔"

عدنان کو پس منظر میں کچھ بڑبڑاہٹیں سنائی دیں' پھر ریسیور پر ایک آواز ابھری۔

"عدنان........ میں انسپکٹر منصور بول رہا ہوں۔ تمہیں افسر خان سے کیا بات کرنا تھی؟"

انسپکٹر منصور کسی زمانے میں خیر آباد پولیس میں رہا تھا۔ اچھا دیانت دار آدمی تھا۔ بہت اچھا دوست بھی تھا لیکن اس موقع پر اس کی آواز سن کر عدنان کے جسم میں سرد لہر سی دوڑ گئی۔ "ذاتی معاملہ تھا۔ منصور۔ کیا چکر ہے؟"

"مجھے افسوس ہے۔ ابھی آدھا گھنٹہ پہلے اس نے اپنے پستول سے خود کو نشانہ بنا لیا۔ کیا وہ بیمار تھا؟"

"میرے خیال میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ تفصیل سے بتاؤ' کیا ہوا ہے؟"

"اس نے بائیں کنپٹی پر پستول ٹکا کر ٹرائیگر دبا دیا۔ لاش ہوٹل کی خادمہ نے دریافت کی۔"

"اس نے کوئی نوٹ بھی چھوڑا؟"

"نہیں۔ ہمیں تو کچھ نہیں ملا۔ تم بتاؤ عدنان' تمہاری اس میں دلچسپی کی وجہ کیا تھی۔ مجھے معلوم ہے' تم آج اس سے ملنے آئے تھے۔"

"میں ایک عام پولیس مین کی زندگی پر فیچر لکھ رہا ہوں۔ اسی سلسلے میں اس سے ملا تھا۔"



"تم نے اس سے بات کی تو وہ ڈپریشن میں تو نہیں تھا؟ پریشان تو نہیں تھا؟"

"نہیں۔ میں نے اس کے انداز میں ایسی کوئی بات محسوس نہیں کی تھی۔ اچھا منصور........ بہت بہت شکریہ۔" عدنان نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر اس نے بابر کے گھر فون کر کے اسے صورت حال سے مطلع کیا۔ بابر نے اسے اپنے گھر آنے کی ہدایت کی۔

بابر کے گھر پارٹی ہو رہی تھی۔ مفت خوروں کے مزے ہوئے تھے۔ بابر اسے ایک الگ کمرے میں لے گیا۔ "تمہیں پہلے ہی اس کا باقاعدہ بیان لے لینا چاہیے تھا........ گواہوں کے دستخطوں سمیت۔ کاش........! ملاقات کے دوران تم نے ڈکٹافون استعمال کیا ہوتا۔" بابر نے مضطربانہ انداز میں ٹہلتے ہوئے کہا۔

"آئندہ خیال رکھوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ جو ہوا' اس پر خاک ڈالو۔ ویسے افسر خان پر بہت زیادہ دباؤ تھا محکمے کے اندر بھی اور باہر بھی۔ تم نے یہ اندازہ تو لگایا ہو گا کہ وہ خودکشی کر سکتا ہے۔"

"ہرگز نہیں۔ اب تو وہ سر اٹھا کر جینے اور جنگ لڑنے کی تیاری کر رہا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اس طرح خودکشی کر لے گا۔"

"ممکن ہے' تمہارے آنے کے بعد اس نے پھر چرس پی ہو' سوچا ہو اور ڈپریشن میں مبتلا ہو گیا ہو۔" بابر نے خیال آرائی کی۔

"ممکن ہے۔" عدنان مسکرایا۔ مگر اس کی آنکھوں سے تلخی کا اظہار ہو رہا تھا۔ "یہ کیس تو میں نے خراب کر دیا۔ اگر میں محتاط رہا ہوتا تو وہ زندہ ہوتا۔"

"میں نہیں سمجھتا کہ تم کسی بھی طرح قصوروار ہو۔"

"شکریہ جناب۔"

دوسرے کمرے میں شور بڑھ گیا تھا۔ عدنان نے معنی خیز نظروں سے بابر کو دیکھا۔ بابر نظریں چرانے لگا۔ "آپ اپنا پیسہ ان لوگوں پر ضائع کیوں کرتے ہیں جو اچھے دوست بھی نہیں۔" اس نے کہا۔

بابر کے چہرے پر بدمزگی کا تاثر ابھرا۔ "تو اور کیا کروں؟ دفتر میں مصروفیات میں گھرا رہنے کی کوشش کرتا ہوں۔ تھک کر گھر آتا ہوں تو یہ تنہائی مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔ تم نے کبھی سناٹے کو چیختے سنا ہے؟ کیا تنہائیوں کے آسیب ناچتے دیکھتے ہیں؟ میں پاگل نہیں ہونا چاہتا۔"

عدنان چند لمحے ترحم آمیز نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ "کوئی کتا یا بلی پال

لیں۔"

"اس قدر بیکراں تنہائی کے خلا کو کوئی بلی کتا نہیں بھر سکتا۔ اسی لیے میں انسان پالتا ہوں۔" بابر نے تلخ لہجے میں کہا۔

☆======☆======☆

اگلی صبح ساڑھے نو بجے عدنان کلیٹن ہوٹل کی پُر ہجوم لابی میں داخل ہوا۔

کلیٹن ہوٹل گھنشام کا ہیڈ کوارٹر اور آپریٹنگ سینٹر تھا۔ وہ اپنے مضافات والے گھر سے ہر صبح کلیٹن ہوٹل آتا اور یہاں چند گھنٹے گزارتا۔ اس دوران وہ دوستوں سے ملاقاتیں کرتا ماتحتوں سے رپورٹیں لیتا۔ جن لوگوں کو اس سے کام ہوتے' وہ ہوٹل کی لابی میں منڈلاتے رہتے......... موقع کا انتظار کرتے رہتے۔ گھنشام ضرورت مندوں کی بات بے دھیانی سے سنتا اور ہاں یا نہیں میں جواب دے کر منہ پھیرلیتا۔ یہ اشارہ ہوتا کہ اتفاقیہ ملاقات خاتمے کو پہنچی۔

عدنان کو لابی میں گھنشام نظر نہیں آیا لیکن اس کے کئی خاص آدمی بہرحال وہاں موجود تھے۔ عدنان لابی کی باربر شاپ میں داخل ہوا اور سردار کی کرسی پر جا بیٹھا۔ سردار کان کھلے رکھنے والا ذہین آدمی تھا........ عدنان کی نیوز سروسز میں سب سے اہم! اہم ترین بات یہ تھی کہ وہ کلیٹن ہوٹل کی باربر شاپ میں کام کرتا تھا جہاں گھنشام کے گرگے ہر وقت دندناتے پھرتے تھے۔ یہاں وہ جو کچھ بھی سنتا' عدنان تک پہنچا دیتا۔ یہ عدنان کے قرضے کی قسط وار ادائیگی کی صورت تھی۔ حالانکہ سردار جانتا تھا کہ وہ عدنان کا قرض زندگی بھر نہیں اتار سکے گا۔ عدنان نے سردار کی بیٹی کی جان بچائی تھی جو خون کے ایک مہلک مرض میں مبتلا تھی۔ عدنان نے اپنے کالم میں مسلسل اس کا تذکرہ کر کے اور مخیر حضرات سے امداد کی اپیلیں کر کر کے اس کی جان بچائی تھی اور سردار احسان فراموش آدمی ہرگز نہیں تھا۔

"کیا حال ہے سر؟" سردار نے تولیا اٹھا کر عدنان کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔ البتہ سر اور جسم کے مساج کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔ اپنا وائبریٹر لاؤ۔"

اس وقت شاپ میں بھی گھنشام کے کئی آدمی موجود تھے۔ سردار وائبریٹر کی اہمیت سے واقف تھا۔ اس کے شور کے پردے میں وہ اور عدنان گفتگو کر سکتے تھے۔ مساج کے دوران عدنان نے پوچھا۔ "اور کوئی نئی تازہ؟"



"نئی تازہ کوئی نہیں لیکن رخسانہ آپ کو بہت یاد کرتی ہے۔"

سردار نے وائبریٹر کو دستانے کی طرح پہن لیا تھا اور اب عدنان کی پیشانی کا مساج کر رہا تھا۔

"میں ایک آدمی کا حلیہ بتاتا ہوں۔ پھر بتانا کہ تم نے اسے یہاں دیکھا ہے۔" عدنان نے کہا اور افسر خان کا بتایا ہوا حلیہ بیان کر دیا۔

"کچھ کہہ نہیں سکتا۔" سردار نے حلیہ سننے کے بعد کہا۔

عدنان نے اس کے بالائی ہونٹ کے اوپر پسینے کے قطرے نمودار ہوتے دیکھے اور جان لیا کہ وہ خوفزدہ ہے۔

"چھوڑو......... بھول جاؤ کہ میں نے کچھ پوچھا تھا۔" اس نے سردار کو دلاسا دیا۔

"دو دن پہلے میں نے اسے گھنشام کے ساتھ یہیں دیکھا تھا۔" سردار نے سرگوشی میں کہا۔ "کہیں تو پوچھ گچھ کروں اس کے بارے میں؟"

"میں نے کہا نا' بھول جاؤ۔"

"بہت بہتر۔"

عدنان نے بل ادا کیا' سردار کو ٹپ دی اور اٹھ کر کھڑا ہوا۔ اس کا دل معمول سے تیز دھڑک رہا تھا۔ جسم میں سنسنی سی دوڑتی محسوس ہو رہی تھی۔ اسے احساس تھا کہ اس کی کہانی مکمل ہو گئی ہے۔ یہ الگ بات کہ اسے سچ ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم سرخی تو بہت اچھی جمتی۔ گھنشام نے کرائے کے قاتل کے ذریعے شہلا کو قتل کرایا تاکہ عاصم مرزا کو پھنسایا جا سکے۔ یہ نہ کوئی اندازہ تھا اور نہ ہی وجدان کا کرشمہ۔ یہ تو سیدھی سادی حقیقت تھی لیکن عدالت ثبوت کے بغیر حقیقت تسلیم نہیں کرتی۔

عدنان ہوٹل کے دروازے سے نکلنے ہی والا تھا کہ عقب سے کسی نے اسے پکارا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ گھنشام کا دیو قامت گرگا مستان اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"باس تم سے ملنا چاہتا ہے عدنان صاحب۔" اس نے قریب آ کر کہا۔ "اور باس کو انتظار کرانا صحت کے لیے اچھا نہیں۔ تم جانتے ہو' وہ کتنا مصروف آدمی ہے۔"

"جانتا بھی ہوں اور اس سلسلے میں پریشان بھی رہتا ہوں۔" عدنان نے مضحکہ اڑایا۔ "ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو تقریباً چھ سیکنڈ میں گھنشام کے بارے میں سوچتا اور پریشان ہوتا ہوں۔ یہی میری صحت کا راز ہے۔"

مستان نے پریشان ہو کر لابی کی طرف پلٹ کر دیکھا۔ اور بولا۔ "عدنان صاحب'

مذاق مت کرو۔ باس کو مذاق پسند نہیں۔"

"چلو......... آؤ۔" عدنان آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

گھنشام بک اسٹال پر کھڑا کسی رسالے کی ورق گردانی کر رہا تھا۔ اس کے چاروں طرف باڈی گارڈز تھے۔ انہوں نے چونکنے پن سے عدنان کو دیکھا۔

"تم سے مل کر خوشی ہوئی لڑکے۔" گھنشام نے مسکراتے ہوئے کہا اور عدنان کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ "تم بڑی مشکل سے ہاتھ آتے ہو۔ میں دو دن سے تم سے ملنا چاہ رہا تھا۔"

"تو میرے آفس فون کر لیا ہوتا۔" عدنان نے خشک لہجے میں کہا۔

"میرا سسٹم ہی عجیب ہے۔" گھنشام نے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔ "میں اس امید میں اِدھر اُدھر نکل جاتا ہوں کہ جس سے ملنا چاہتا ہوں' شاید اس سے یہاں ملاقات ہو جائے اور اکثر ہوتا بھی یہی ہے......... تمہیں میری یتیم بچوں والی پارٹی کے متعلق علم ہے؟"

"ہاں......... ہے۔" عدنان نے جواب دیا۔ گھنشام ہر سال یتیم بچوں کو ایک پارٹی دیتا تھا......... پکنک پر لے جاتا تھا۔ اس موقع پر تصویریں کھینچی جاتیں' اخباروں میں خبریں لگتیں۔ خوب پبلسٹی ہوتی۔

"اس سال کی پارٹی بہت اچھی ہوئی۔ کاش تم بچوں کو کھاتا دیکھتے! ڈٹ کر کھایا انہوں نے۔" گھنشام نے گھٹیا پن سے کہا۔ پھر سر گھمائے بغیر اپنے ایجنٹ سے مخاطب ہوا۔

"صابر.........! ذرا تصویر تو دکھاؤ۔"

صابر نے تصویروں کا لفافہ گھنشام کو تھما دیا۔ گھنشام نے کچھ تصویریں نکالیں اور بولا۔

"عدنان' میں تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ ساری تصویریں تم اپنے دفتر میں دیکھ لینا۔ البتہ یہ چند تصویریں دیکھو........."

"بہت اچھی تصویریں ہیں۔" عدنان نے تبصرہ کیا۔

"اور مواد تمہیں میری سیکرٹری بھجوا دے گی......... صاف ستھرا' فلاح و بہبود کا مواد۔ اچھے لوگوں کو ایسی باتیں اچھی لگتی ہیں۔"

"اچھے لوگوں سے تمہاری مراد میرے قارئین ہیں؟"

"ہاں......... یہی سمجھ لو۔"

عدنان مسکرایا۔ "اور میرا خیال ہے تمہارے پاس کم از کم دو ہفتے تک میرے کالم کا پیٹ بھرنے کا مواد موجود ہے۔ اس عرصے میں الیکشن ہو چکیں گے۔"



"یہ درست ہے اور میرا مشورہ ہے کہ اس عرصے میں میٹھے میٹھے' پیارے پیارے کالم لکھو۔"

"اور اگر میں دو ہفتے کی چھٹی لے لوں؟ کیسا آئیڈیا ہے؟"

"یہ لفظ اچھا۔ بھی عجیب لفظ ہے۔" گھنشام نے اسے محتاط نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں لفظ اچھا اور برا استعمال نہیں کرتا۔ میں کسی چیز کو یا تو عقل مندانہ قرار دیتا ہوں یا احمقانہ۔"

ایک باڈی گارڈ نے پہلو بدلا۔ "یہ تھکا تھکا لگتا ہے باس۔ چھٹی والا آئیڈیا عقل مندانہ معلوم ہوتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" گھنشام نے فیصلہ سنایا۔

"تم لوگ مداری والا تماشا اچھا کر سکتے ہو گھنشام! ذرا اپنی ڈگڈگی پر اسے نچا کر تو دکھاؤ۔" عدنان نے کہا۔

گھنشام نے تصویروں کا لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔ "مجھے مذاق پسند نہیں۔ یہ تصویریں لو اور ہر روز انہیں دیکھتے رہو اور یاد رکھنا کہ میں نے کیا کہا تھا۔"

عدنان کا گلا خشک ہو گیا۔ پیشانی پر پسینہ پھوٹنے لگا۔ تاہم اس نے تصویروں کا لفافہ تھاما اور فوراً ہی اسے نیچے گرا دیا۔ "اگلے دو ہفتوں کے لیے میرے کالم کی جگہ پہلے ہی بک ہے۔ میں تمہارے لیے ایک پیراگراف بھی نہیں لکھ سکتا۔" اس نے خشک لہجے میں کہا۔

گھنشام نے نیچے گری ہوئی تصویروں کو دیکھا۔ پھر اس نے پھنکارنے کے انداز میں ایک طویل سانس نتھنوں سے خارج کی۔ "مجھے اور کچھ نہیں کہنا۔ بس......... بھاگ جاؤ۔" وہ بولا۔

"بہت بہت شکریہ۔"

☆======☆======☆

عدنان ایک کیفے میں چائے پینے کے لیے رکا۔ وہ اپنے اعصاب کے انتشار پر قابو پانا چاہتا تھا۔ گھنشام کا سامنا کرنا ہنسی کھیل نہیں تھا۔ گھنشام طاقت ور آدمی تھا۔ غصے کا تیز اور کینہ پرور۔ وہ محض دھمکیوں کا قائل نہیں تھا۔ عدنان چائے کی پیالی سامنے رکھا بیٹھا رہا۔ یہاں تک کہ ہاتھوں کی لرزش دور ہو گئی۔

اس نے چائے پی اور باہر نکل کر ٹیکسی روکی۔ اس بار اس کی منزل عاصم مرزا کا الیکشن آفس تھا۔ اس نے سوچا' ممکن ہے' رضا سے کوئی کام کی بات معلوم ہو جائے۔

اب کے الیکشن آفس کا ماحول یکسر بدلا ہوا تھا۔ بڑا کمرہ تقریباً خالی تھا۔ عاصم مرزا کی تصویر فریاد کرتی محسوس ہو رہی تھی۔ میز کے عقب میں بیٹھے ہوئے دونوں لڑکوں کا انداز مدافعانہ تھا...... جیسے وہ سب کچھ سننے کے لیے تیار ہوں۔ عدنان کو ان کے چہروں پر احساسِ جرم کی تحریر نے ہلا ڈالا۔ یہ بے چارے احساسِ جرم میں کیوں مبتلا ہیں؟ اس نے سوچا۔

ان میں سے ایک رضا کو بلانے چلا گیا اور دوسرا گھبرائے ہوئے لہجے میں اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔ رضا نے اپنے کمرے سے سر نکال کر پکارا۔ ”آجایئے نا‘ عدنان صاحب۔“

عدنان اس کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

رضا کی رنگت زرد ہو رہی تھی۔ وہ بے حد اعصاب زدہ دکھائی دے رہا تھا۔ لگتا تھا‘ کئی دن سے ٹھیک طرح سو بھی نہیں سکا ہے۔

”یہ تم نے کیا حال بنا رکھا ہے؟ تمہیں دیکھ کر عاصم مرزا کے پرستاروں کا کیا خاک اعتماد بحال ہوتا ہو گا۔“ عدنان نے کہا۔

”آپ بیٹھیے۔ میں جس پوزیشن میں ہوں‘ اس میں فرصت بالکل نہیں ہے۔ کرنے کو بہت کچھ ہے اور فی الوقت کچھ کہا بھی نہیں جا سکتا۔“ رضا کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ ”کاش...... کاش میں کچھ کہہ سکتا!“

”اور ہو کیا رہا ہے؟“

رضا نے اپنا چشمہ اتارا اور اپنی آنکھوں کو سہلانے لگا۔ ”ہم نے کچھ پرائیوٹ سراغ رسانوں کی خدمات حاصل کی ہیں۔ وہ شہلا اور اس پولیس کانسٹیبل...... کیا نام ہے اس کا......؟ ہاں افسر خان۔ ان کے بارے میں مکمل چھان بین کر رہے ہیں۔ شہادتوں میں جھول تلاش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ سماج سدھار کمیٹی کو اب بھی مرزا صاحب پر اعتماد ہے۔ وہ تمام اخراجات برداشت کر رہے ہیں اور اپنے تمام وسائل بروئے کار لا رہے ہیں۔“

”کیوں نہ لائیں۔ ان کی اپنی عزت بھی داؤ پر لگی ہوئی ہے۔“ عدنان نے کہا۔ پھر پوچھا۔ ”عاصم مرزا سے بات ہوئی تمہاری؟“

”ہاں۔ آج صبح ہوئی تھی۔ ان کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ عقب سے ان کے سر پر وار کیا گیا تھا۔ پولیس یہ بات تسلیم نہیں کرتی۔“



”پولیس تو اپنا کیس تیار کر چکی۔ افسر خان مر چکا ہے مگر اس کی شہادت ریکارڈ پر موجود ہے۔ موجودہ صورت حال میں عاصم مرزا کی بچت کا کوئی امکان نہیں۔“

”اور آپ مرزا صاحب کی بے بسی سے لطف اندوز ہو رہے ہیں؟“ رضا بپھر گیا۔ اسے عدنان کے لہجے کی بے نیازی بری لگتی تھی۔ ”آپ خوش ہیں کہ ایک بے گناہ انسان کی زندگی داؤ پر لگی ہوئی ہے۔“

”میں تم سے ایک سودا کرنا چاہتا ہوں لیکن تمہارے پاس دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ میں سیدھی سیدھی بات کروں گا۔ بغیر کسی الجھاؤ کے۔ میرے خیال میں عاصم مرزا کو پھانسا گیا ہے۔ میں تمہیں اس کی وجہ نہیں بتاؤں گا لیکن میں یہ ثابت کرنے کی عملاً کوشش کر رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس گھنشام کے خلاف جو بھی مواد ہے اور اس کے علاوہ موجودہ انتظامیہ اور میئر کے خلاف بھی جو کچھ ہے‘ وہ سب مجھے دے دو۔“

”اے...... ایک منٹ۔“ رضا کے چہرے پر الجھن بھی تھی اور چہرہ ہیجان کے زیر اثر تمتما بھی رہا تھا۔ ”میں یہ شرائط قبول نہیں کر سکتا۔ مجھے کم از کم یہ تو پتا چلے کہ اس کے بدلے ہمیں کیا حاصل ہو گا۔ آپ میری پوزیشن کا بھی تو خیال کیجیے۔“

”مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مجھے صرف وہ معلومات درکار ہیں جن سے گھنشام خوفزدہ ہے اور میں اس کے بدلے کچھ دے بھی رہا ہوں۔ عاصم مرزا کو پھانسی کے پھندے سے بچانے کی کوشش لیکن ضروری نہیں کہ کوشش کامیاب بھی ہو۔ اب بولو...... کیا کہتے ہو۔ وقت ضائع نہ کرو...... نہ اپنا‘ نہ میرا۔“

”آپ...... آپ کا خیال ہے‘ عاصم مرزا کو پھانسا گیا ہے۔“ رضا کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ ”یہ...... یہ آپ کا اندازہ ہے۔“

”میں جانتا ہوں کہ عاصم مرزا کو پھانسا گیا ہے۔“ عدنان نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔ ”سمجھے! میں یہ بات پورے وثوق سے کہہ رہا ہوں۔ وہ کسی بڑی شخصیت کے درپے تھا۔ لہٰذا اسے اس طرح روک دیا گیا۔ اب تم مجھے بتاؤ کہ عاصم مرزا کس کے لیے خطرہ بننے والا تھا؟ اور کیسے؟ یا بتانے کے بجائے بیٹھے تماشا دیکھتے رہو...... یہاں تک عاصم مرزا ایک نام کے بجائے محض نمبر رہ جائے اور پھر اس نمبر کو بھی پھانسی چڑھا دیا جائے۔“

عدنان کی کم گوئی کے پیش نظر وہ ایک طول اور گرما گرم تقریر تھی۔ اس کے لہجے میں بھی جذباتیت تھی۔ ”فیصلہ تمہیں کرنا ہے۔“ اس نے مزید کہا۔ ”میں سمجھتا ہوں کہ

تعاون میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہے۔ ہم دونوں ایک ہی کام کر رہے ہیں۔ البتہ اسباب مختلف ہیں۔ مجھے ایک کہانی درکار ہے اور تمہیں ثابت و سالم عاصم مرزا۔ ہم مل کر کام کر سکتے ہیں۔"

"اور کام آپ کے انداز میں کیا جائے؟؟"

"جی ہاں۔"

رضا کچھ دیر سوچتا رہا۔ بار بار اس کا سر نفی میں ہلتا۔ اس نے عدنان کو اٹھتے دیکھا تو جلدی سے بولا۔ "بیٹھیے........ میں آپ کو سب کچھ بتاتا ہوں مگر خدا کے لیے ہمیں دھوکا نہ دیجیے گا اور ہمیں جھوٹی آس بھی نہ دلایئے گا۔"

"میں آپ کو ایک امکان پیش کر رہا ہوں اور اس کا انحصار ان معلومات پر ہے' جو آپ مجھے فراہم کریں گے۔ اب شروع ہو جائیں۔"

"اگر مرزا صاحب منتخب ہو گئے تو میئر صابر اور گھنشام کو زندگی کا بڑا حصہ جیل میں گزارنا ہو گا۔ ان کے ساتھ انتظامیہ کے بے شمار چھوٹے چور بھی ہوں گے۔" رضا کی آواز دھیرے دھیرے مستحکم ہوتی گئی۔ "یہی وجہ ہے کہ وہ مرزا صاحب کو میئر کے عہدے سے دور رکھنے کے لیے قتل تک سے نہیں چوکے۔"

"تفصیل سے بتاؤ۔"

"بتاتا ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ شہر میں پرائیوٹ کاروں کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ ٹرانسپورٹ کی کوئی حد ہی نہیں۔ ان مسائل کو حل کرنے کے لیے متعدد مقامات پر میونسپل پارکنگ لاٹس بنانے کا پروگرام تھا۔ اس میں جو گھپلے ہوئے ہیں' آپ ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ کروڑوں کا ہیر پھیر ہوا ہے۔ میئر کی درخواست پر سٹی کونسل نے پارکنگ لاٹس کے سلسلے میں پارکنگ اتھارٹی بنائی۔ یہ میئر کے منتخب ہونے کے فوراً بعد کی بات ہے' یعنی چار سال ہو گئے۔ بڑھتے ہوئے ٹریفک کو بنیاد بنا کر پارکنگ اتھارٹی کو غیر معمولی اختیارات تفویض کیے گئے۔ اتھارٹی نے کچھ تجاویز پیش کیں' جو کاغذ پر بہت اچھی لگتی ہیں........"

"لیکن ان پر عمل درآمد نہیں کیا گیا؟؟"

"بات اتنی سادہ بھی نہیں۔ میں آپ کو اپنی فائل میں سے ایک مثال دیتا ہوں۔ تین سال نو ماہ پہلے ایک مخصوص مقام کے سلسلے میں اعلان کیا گیا کہ وہاں پارکنگ لاٹ تعمیر کیا جائے گا۔ علاقہ اچھا تھا۔ شہر کے کئی شاپنگ سینٹر وہاں ہیں اور پارکنگ واقعی مسئلہ بنی



رہتی ہے۔ خیر' تو آرکیٹیکٹ نے سائٹ کی منظوری دے دی۔ منصوبے پر کام شروع ہو گیا۔ ناجائز تجاوزات ہٹا کر جگہ صاف کر دی گئی۔ پھر اسے تعمیر کے لیے پوری طرح تیار کر دیا گیا۔ یہ خاصا مہنگا کام تھا۔ اب آپ خود دیکھ لیں۔ وہاں اب تک پارکنگ لاٹ کا نام و نشان بھی نہیں۔ کچھ عرصے بعد آرکیٹیکٹ نے سفارش پیش کی کہ وہ جگہ پارکنگ لاٹ کے نکتہ نظر سے مناسب نہیں ہے۔ اس نے ایک اور مقام تجویز کیا۔ پارکنگ اتھارٹی کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوا۔ وہ تو بس نعرہ بلند کرتے ہیں کہ اس شہر کو پیرس بنا کر دم لیں گے۔ انہوں نے نئی جگہ کی منظوری دے دی۔ پرانی زمین جس پر بہت زیادہ کام ہو چکا تھا' ایک کمپنی کو شاپنگ سینٹر کی تعمیر کے لیے منہ مانگے داموں بیچ دی گئی۔"

"اور اس میں بھی گھنشام ملوث ہے؟" عدنان نے پوچھا۔

"گھنشام' میئر صابر اور چند دوسرے لوگ۔" رضا نے جواب دیا۔ "صابر انتظامیہ کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے بہتر سے بہتر زمین سرکاری استعمال کے نام پر خالی کرا سکتا ہے۔ بعض اوقات عمارتیں خرید کر ڈھائی جاتی ہیں' سرکاری مقاصد کے لیے۔ یہاں یہ دھمکی بلیک میلنگ میں استعمال کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اس گورکھ دھندے کا ایک اور زاویہ بھی ہے۔ پارکنگ اتھارٹی کے 98 فیصد ٹھیکے صرف دو کمپنیوں کے درمیان تقسیم ہوئے ہیں۔ دینار کنسٹرکشن کمپنی اور شالیمار کارپوریشن۔ چار سال پہلے کسی نے ان کمپنیوں کا نام بھی نہیں سنا تھا لیکن پھر دیکھتے ہی دیکھتے ان کا کاروبار چمک اٹھا۔ صرف اس لیے کہ میونسپل کارپوریشن اور پارکنگ اتھارٹی کے تقریباً تمام ٹھیکے ان کو ملنے لگے۔ انتظامیہ نے کبھی معروف کنسٹرکشن کمپنیوں کو موقع نہیں دیا۔ وہ ان دونوں فرموں کا پیٹ بھرتی رہی۔"

"معروف کمپنیوں نے اس پر شور کیوں نہیں مچایا؟؟"

"مچایا مگر فائدہ کچھ نہیں ہوا۔ مثلاً رضوی نے ہر ٹھیکے کے حصول کے لیے ان سے مقابلہ کیا۔ وہ اس کاروبار میں چالیس سال سے ہے اور اس نے اچھے کام اور دیانت داری سے اپنی ساکھ بنائی ہے لیکن پارکنگ اتھارٹی کا کام اسے دمڑی بھر کا بھی نہیں ملا۔"

"تم یہ سب کچھ ثابت کر سکتے ہو؟؟"

"عاصم مرزا کے منتخب ہونے کی صورت میں بالکل کر سکتا ہوں۔ ہمارے آڈیٹرز 24 گھنٹے کے اندر اندر کیس تیار کر سکتے ہیں۔ اسی لیے تو سب مرزا صاحب کے پیچھے پڑے ہیں۔"

"بات وہیں کی وہیں ہے۔" عدنان نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہیں یہ معلومات کس شکل میں حاصل ہوئیں۔ افواہ کی شکل ......؟"

"میں نے جو کچھ بتایا ہے' لفظ بہ لفظ درست ہے۔"

"لیکن فی الوقت تم ثابت نہیں کر سکتے۔ اچھا...... یہ بتاؤ' ان دو کمپنیوں...... دینار کنسٹرکشن اور شالیمار کارپوریشن کے مالک کون لوگ ہیں۔"

"یہ تو ہمیں معلوم نہیں لیکن جس دن مرزا صاحب میئر کی حیثیت سے دفتر میں داخل ہو گئے' اسی دن یہ بھی معلوم ہو جائے گا۔"

"چلو مان لیا۔ یہ بتاؤ' یہ معلومات تمہیں کس نے فراہم کیں؟ شہلا نے؟"

"نہیں' پراپرٹی ٹیکس آفس میں ایک کلرک' مرزا صاحب کا پرستار ہے۔ یہ سب کچھ اس نے بتایا ہے۔"

"شہلا سے بھی کوئی کام کی بات معلوم ہوئی؟"

رضا نے شدت سے نفی میں سرہلایا۔ "نہیں' چھوٹی موٹی باتیں معلوم ہوتی رہیں۔ اس نے کوئی اہم بات نہیں اگلی۔ حالانکہ ہمیں امید تھی اس سے......"

عدنان چند لمحے سوچتا رہا۔ بالآخر بولا۔ "یہ تم نے دلچسپ ترین بات بتائی ہے۔"

"میں کچھ سمجھا نہیں۔" رضا نے نروس انداز میں کہا۔

عدنان اٹھ کر کھڑا ہوا۔ "اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔" اس نے کہا۔ وہ شہلا کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ شاید شہلا کو بھی عاصم مرزا کی طرح پھانسا گیا تھا۔ اسے عاصم مرزا کو معلومات فراہم کرنے کی بنا پر قتل نہیں کیا گیا تھا بلکہ صرف عاصم مرزا کو اس کے قتل کے سلسلے میں ملوث کرنا تھا۔ یہ ایک خوف ناک خیال تھا۔ عدنان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ بیسویں صدی میں انسانی جان کی بھینٹ دینے کا سلسلہ جاری تھا۔ بس انداز مختلف تھا۔ وہ سوچتا رہا۔ قاتلوں نے شہلا کو اپنے منصوبے کا یہ حصہ نہیں بتایا ہو گا۔ ورنہ وہ ان کا ساتھ نہ دیتی۔

"اب ہمیں کیا کرنا ہے؟ کیا کرنا چاہیے؟" رضا نے یاس انگیز لہجے میں پوچھا۔

"میں شاید جلد ہی اس سلسلے میں تمہاری رہنمائی کر سکوں گا۔" عدنان نے جواب دیا اور کمرے سے نکل آیا۔

☆=====☆=====☆

شہلا کی لاش ابھی تک سرکاری مردہ خانہ ہی میں تھی۔ پوسٹ مارٹم ہو چکا تھا۔ مگر



ابھی تک ورثا نہیں آئے تھے جنہیں لاش دی جاتی۔ شہلا کے لواحقین میں صرف ایک ماں تھی اور وہ بھی کسی دوسرے شہر میں رہتی تھی۔

عدنان ایک بجے کے قریب اسپتال پہنچا۔ وہ اس وقت ذہنی طور پر بہت مصروف تھا اور جو کچھ رضا سے سنا تھا' اس سے صورت حال کی ایک واضح تصویر بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔

لابی میں شبانہ کھڑی کسی سے بات کر رہی تھی۔ اس کو دیکھ کر نہ جانے کیوں عدنان کو خیال ہوا کہ وہ شاید جابر اور گھنشام سے وابستہ ہو گئی ہے' اور یہ خیال اس کے لیے تاسف انگیز تھا۔ اس نے سر جھٹکا اور مردہ خانے کی طرف بڑھ گیا۔

مردہ خانے کے دروازے پر اسے جمعدارنی جمنا مل گئی۔ وہ چالیس سے اوپر کی خوش مزاج عورت تھی۔ عدنان اسے کئی برس سے جانتا تھا۔ جمنا نے مسکرا کر اسے سلام کیا۔

"کیسے آئے ہو صاب؟"

"شہلا کے سلسلے میں آیا ہوں۔ پتا نہیں' اس کی لاش کس کو ملے گی۔"

"اس کی ماں کی ہدایت کے مطابق شہلا کی سہیلی شبانہ کو اس کی تدفین کا اختیار ہے۔ باقی سارے انتظامات جابر صاحب کریں گے۔" جمنا نے بتایا۔ پھر بولی۔ "آپ کا کیا خیال ہے صاب' مرزا صاحب کا دماغ خراب ہو گیا تھا کیا۔ اتنی خوب صورت لڑکی کو مار ڈالا۔ فائدہ کیا ہوا اسے مار کر؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں جمنا۔"

"اور پھر اس سے خراب بات یہ ہے کہ وہ ماں بننے والی تھی۔ سوچئے تو...... مرزا صاحب نے دو قتل کر ڈالے۔"

عدنان کے لیے یہ ایک دھماکا تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنے چہرے کو بے تاثر رکھا۔ اس نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "واقعی...... یہ تو بہت خراب بات ہوئی۔ مگر تمہیں کیسے پتا چلا کہ شہلا ماں بننے والی تھی۔ یہ بات تو سب سے چھپائی گئی تھی۔"

"میں نے ڈاکٹروں کی گفتگو سن لی تھی چھپ کر اور میں نے آپ کے سوا کسی کو بتائی بھی نہیں یہ بات۔ آپ ڈاکٹر صاحب سے نہ کہہ دیجئے گا۔"

"ارے نہیں جمنا...... تم بے فکر رہو۔" عدنان نے کہا اور ڈاکٹر انصاری کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ ڈاکٹر انصاری کمرے میں موجود تھا۔ اس نے بے حد گرم جوشی سے عدنان کی پذیرائی کی اور شکایتی لہجے میں بولا۔ "تم تو عید کا چاند ہو گئے ہو عدنان۔ اس

وقت بھی کسی کام سے ہی آئے ہو گے؟"

"جی ہاں۔ مصروفیت ہی اتنی ہے۔ میں شہلا کی رپورٹ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"پوسٹ مارٹم رپورٹ میں نے اخباری نمائندوں کے سامنے پڑھ کر سنا دی تھی۔ تمہارا کیا خیال ہے' کوئی اہم بات رہ گئی ہو گی؟" ڈاکٹر انصاری کا لہجہ ترش ہو گیا۔

"جی ہاں' آپ نے یہ نہیں بتایا کہ وہ حاملہ تھی۔ ممکن ہے' کوئی اور حقیقت بھی چھپالی ہو آپ نے۔"

ڈاکٹر کا چہرہ سپید پڑ گیا۔ "یہ کہاں کی ہانک رہے ہو تم؟"

"مجھے معلوم ہے کہ وہ حاملہ تھی۔" عدنان نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

"خواہ مخواہ کے نتائج مت نکالو۔" ڈاکٹر نے اپنے بھیگے ہوئے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"اور رپورٹ ہم ہر کسی کو نہیں دکھاتے' تمہیں کچھ پوچھنا ہے تو تحریری طور پر پوچھو۔ جواب بھی تحریر میں ہی ملے گا۔"

"پوسٹ مارٹم رپورٹ کوئی خفیہ دستاویز نہیں ہوتی۔ ایک صحافی ہونے کی حیثیت سے وہ رپورٹ دیکھنا میرا حق ہے۔"

"اب ضابطے بدل گئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے' میں عدالت سے آرڈر لے آؤں گا۔ فوٹوگرافر بھی ساتھ لاؤں گا۔ اخبار میں بھی تمہاری تصویر کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہوں گی۔"

"تم خواہ مخواہ مشکلات کھڑی کر رہے ہو۔"

"میں صرف یہ بتا رہا ہوں کہ ریکارڈ جلا دو۔ ورنہ دکھانا تو پڑے گا۔ نہیں دکھاؤ گے تو اور بڑی مصیبت میں پھنسو گے۔"

ڈاکٹر انصاری صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ "خدا بہتر جانتا ہے' لڑکی کی یہ کنڈیشن عاصم مرزا کے جرم کو کم نہیں کر سکتی بلکہ بھیانک بنا سکتی ہے۔"

"تو وہ حاملہ تھی نا؟ کتنے عرصے کا حمل تھا؟"

ڈاکٹر نے آہ بھر کے کہا۔ "تین ماہ کا۔ اور انسپکٹر شفاعت نے کہا' موت کے بعد کسی کو رسوا کرنے کا فائدہ؟ یہ بات چھپالینا چاہیے۔"

"واہ........ کیا نرم دلی ہے۔ انسپکٹر شفاعت کو کبھی عزت داروں پر ترس نہیں آتا لیکن شہلا پر آیا' جو کوئی پاک باز لڑکی نہیں تھی۔ اس کی تو زندگی ہی بدمعاشوں کے درمیان گزری تھی۔ اس کی آبرو کی فکر! واہ بھئی واہ........ ڈاکٹر صاحب! کیا معقول وجہ



بیان کی ہے بات چھپانے کی۔"

"قتل کا کیس سیدھا سادہ ہے تو کیوں الجھاوے پیدا کیے جائیں۔" ڈاکٹر اب گھگیا رہا تھا۔ "شہلا' عاصم مرزا سے پانچ ہفتے پہلے ملی تھی۔ جبکہ حمل تین ماہ کا تھا۔ یہ بات سامنے آتی تو طرح طرح کی باتیں بنتیں اور یہ طے ہے کہ اسے عاصم مرزا نے قتل کیا ہے۔ لہٰذا حمل کا قتل سے کوئی تعلق نہیں۔"

"ٹھیک ہے' میں اسے راز ہی رہنے دوں گا۔" عدنان نے کہا۔

پہلی بار ڈاکٹر انصاری کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نظر آئی۔ عدنان اس کا شکریہ ادا کر کے نکل آیا۔ شبانہ اسپتال سے نکل رہی تھی۔ عدنان اس کی طرف لپکا۔ "ہیلو شبانہ........! کیسی ہو؟"

"ٹھیک ہوں۔" شبانہ کی آواز میں خفیف سی لرزش تھی۔ "کچھ کاغذات پر دستخط کرنا تھے۔ لاش کل مل جائے گی۔ تدفین بھی کل ہو گی۔"

"کھانا میرے ساتھ کھاؤ۔" عدنان نے کہا۔

"سوری........ میں مصروف ہوں۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھنے لگی مگر عدنان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "مجھے تمہاری مدد درکار ہے۔" وہ بولا۔

"اور میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ میرے پاس تمہیں بتانے کے لیے کچھ بھی نہیں۔ میرا ہاتھ چھوڑ دو۔ ورنہ میں چیخنا شروع کر دوں گی۔"

"اس سے بہتر ہے' سچ اگلنا شروع کر دو۔ بتاؤ........ قتل کی رات شہلا سے ملنے کون آیا تھا۔ وہ شہلا سے کیا چاہتا تھا؟ شہلا خوف زدہ کیوں تھی؟"

"میرا ہاتھ چھوڑ دو۔ مجھے کچھ معلوم نہیں۔"

"تم جھوٹ بول رہی ہو۔ تمہارا ضمیر تمہیں ملامت نہیں کرتا؟ تمہارے سچ بولنے سے ایک بے گناہ شخص کی جان بچ سکتی ہے۔ شہلا کا اصل قاتل کیفر کردار کو پہنچ سکتا ہے لیکن تم خاموش رہیں تو ایک بے گناہ پھانسی چڑھ جائے گا۔"

"لیکن مجھے تو کچھ نہیں ہو گا۔ میں تو محفوظ رہوں گی۔" شبانہ نے کشیدہ لہجے میں کہا۔

"تمہیں شہلا کا خیال بھی نہیں آتا۔ جانوروں کو بھی ایسے نہیں مارا جاتا۔ وہ تمہارے نزدیک بھیڑبکریوں سے بھی بے وقعت تھی؟"

"خاموش ہو جاؤ۔" شبانہ نے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لیے۔ عدنان نے اس کا ہاتھ

چھوڑ دیا۔ ”ٹھیک ہے۔ میں اب کچھ نہیں کہوں گا۔“ اس نے نرم لہجے میں کہا۔ وہ جانتا تھا کہ اس میں شبانہ کا کوئی قصور نہیں۔ وہ اپنی زندگی کیوں خطرے میں ڈالے۔ اسے چپ رہنے کی تنبیہہ کی گئی ہو گی۔ ”چلو......... میں تمہیں تمہارے فلیٹ تک پہنچا دوں۔“

تھوڑے سے اصرار کے بعد شبانہ اس کے ساتھ ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔ عدنان نے اس کے فلیٹ کے سامنے ٹیکسی رکوائی اور اس کے لیے دروازہ کھولا۔ شبانہ نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ ”خاموشی کے بارے میں ارادہ بدل جائے تو جمہور کے دفتر فون کر دینا مجھے۔“ عدنان نے کہا۔

”میرا ارادہ نہیں بدلے گا۔“

اسی وقت جابر آتا دکھائی دیا۔ ”ارادہ بدلنے کی وجہ جابر تو نہیں؟“ عدنان نے پوچھا۔

”خدا حافظ!“ شبانہ نے سرد لہجے میں کہا اور پلٹی۔ اتنی دیر میں جابر قریب آچکا تھا۔

”کیا بات ہے شبانہ! تم لیٹ ہو۔“ اس نے سخت لہجے میں کہا۔ انداز ایسا تھا جیسے اسے عدنان کی موجودگی کا احساس ہی نہ ہو۔ ”یہ شخص تمہیں پریشان تو نہیں کر رہا ہے؟“ اس نے عدنان کی طرف اشارہ کیا۔

”میرا نام ناصر عدنان ہے۔ تم مجھ سے براہ راست گفتگو بھی کر سکتے ہو۔“

جابر نے سرد نظروں سے اسے گھورا۔ ”تم شبانہ کے پیچھے کیوں پڑے ہو؟“

”میں ایک خبر کے سلسلے میں مردہ خانے گیا تھا۔ وہاں شبانہ سے ملاقات ہو گئی۔ میں نے اس سے کہا‘ میں تمہیں تمہارے فلیٹ چھوڑ دوں گا۔ بس اتنی سی بات ہے۔“

”تمہارے نزدیک شہلا کی کوئی اہمیت نہیں۔ وہ حقیر تھی تمہاری نظر میں۔“ جابر نے زخمی لہجے میں کہا۔ پھر بولا۔ ”تم شبانہ سے......... ہم سے دور رہو۔ تمہاری منزل اور ہے‘ ہماری اور۔“

عدنان کو شہلا کے تذکرے پر جابر کے لہجے میں سچا دکھ محسوس ہوا تھا۔

اپنے دفتر پہنچ کر عدنان نے نیا کالم لکھا۔ اس میں اس نے شہلا کے ممکنہ قاتل کا وہ حلیہ لکھا جو اسے کانسٹیبل افسر خان نے بتایا تھا۔ پھر وہ اپنا کالم پڑھ کر خود سوچ میں پڑ گیا۔ کالم خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ بابر موجود ہوتا تو اس سلسلے میں اس سے مشورہ ضرور کرتا لیکن بابر موجود نہیں تھا۔ اس نے چپراسی کو بلا کر کالم کمپوزنگ کے لیے بھجوا دیا۔

شام کے وقت اس نے شہلا کے فلیٹ کا فون نمبر ملایا۔ شبانہ نے فون اٹھایا تو اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ”میں عدنان بول رہا ہوں۔ اس بار تمہیں پریشان کرنے کے لیے فون



نہیں کیا۔ کام نے مجھے تھکا ڈالا ہے۔ رات کے کھانے پر مضافاتی علاقے میں ایک دوست کے گھر مدعو ہوں۔ تم بھی چلی چلو میرے ساتھ۔“

”ٹھیک ہے۔ میں آدھے گھنٹے میں تیار ہو جاؤں گی۔“

عدنان کو اس کے جواب پر حیرت ہوئی۔ ”ٹھیک ہے۔ میں تمہیں تمہارے فلیٹ سے پک کر لوں گا۔“

☆=====☆=====☆

شہر سے دور ایک مضافاتی بستی تھی......... چاند نگر۔ شہر کی کثیف فضا سے تنگ آئے ہوئے لوگوں نے وہاں پلاٹ خرید کر مکان بنا ڈالے تھے۔ عدنان کا دوست ارشاد بھی ایسے لوگوں ہی میں تھا۔ وہ شادی شدہ تھا۔ اس نے عدنان اور شبانہ کا استقبال معنی خیز انداز میں کیا لیکن عدنان نے آنکھیں ملائیں تو سنبھل گیا۔ عدنان بے حد سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔

دعوت میں عدنان اور شبانہ کے علاوہ سات افراد اور تھے۔ کھانے کی بعد سب لوگ لان میں آ بیٹھے۔ چائے کا دور وہیں چلا۔

”حضرات......... یہ جو فضا میں مہک سی ہے‘ یہ آپ کو یقیناً پریشان کر رہی ہو گی۔ میں آپ کو بتا دوں‘ یہ تازہ ہوا کی مہک ہے جس سے آپ شہر کے لوگ محروم ہیں۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ اس سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ خوب گہری سانسیں لیجئے۔ آپ کو اپنے اندر روشنی اترتی محسوس ہو گی۔“ ارشاد نے مزاحیہ لہجے میں کہا۔

اس پر سب کھلکھلا کر ہنس دیے۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر گفتگو کا رخ سیاست کی طرف مڑ گیا۔ عاصم مرزا کا ذکر ہونا بھی فطری تھا۔

”عاصم مرزا کا تو شمار اب زندوں میں ہے ہی نہیں۔“

”ہاں۔ کوئی معجزہ ہی اسے بچا سکتا ہے۔ عدنان نے کہا۔

”اور یہ معجزوں کا دور نہیں ہے۔“ نادر نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”چنانچہ صابر پھر منتخب ہو گا۔ تمام بدمعاشیاں جاری رہیں گی لیکن لوگوں کو کوئی پروا نہیں۔ لوگ احمق ہیں۔ انہیں اچھے برے سے غرض ہی نہیں۔“

”چلئے......... میں تسلیم کر لیتا ہوں لیکن آپ جیسے لوگ تو احمق نہیں۔ تو آپ پروا کیوں نہیں کرتے اچھے برے کی؟ میرے نزدیک یہ زیادہ خراب بات ہے۔“ عدنان بولا۔

”یہ کس نے کہا کہ ہمیں پروا نہیں۔“ ارشاد نے جلدی سے مداخلت کی۔ ”لیکن

ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ سوائے اس کے کہ تنگ آکر شہر چھوڑ دیں۔ سڑکوں پر گندگی ہے' اسکولوں میں تعلیم اور تربیت پر توجہ نہیں دی جاتی۔ سچ تو یہ ہے کہ شہر بچوں کے لئے تباہ کن ہے۔ چنانچہ میں اپنے بچوں کو شہر سے دور لے آیا۔ اب شہر میری ذمے داری نہیں۔ میں شہر کا مقروض بھی نہیں۔"

"مقروض تو ہو۔ تمہارا روزگار اپنے شہر میں ہے۔" عدنان نے تند لہجے میں کہا۔ "آدمی اپنے ملک تک مقروض رہتا ہے اور یہ قرض ساری زندگی ادا نہیں کر سکتا۔"

"تم ہمیں بیک ورڈ کہو گے۔ مگر میں اب شہر میں نہیں رہ سکتی۔" ارشاد کی بیوی سلمٰی نے کہا۔ "میں اپنے جیسے لوگوں میں رہنا چاہتی ہوں' جو میرے انداز میں سوچتے ہوں۔"

"ہر شخص یہی چاہتا ہے۔" نادر نے تائید کی۔ "اس میں معذرت کی ضرورت نہیں۔ گندگی میں رہنے والے لوگ بھی اسی انداز میں سوچتے ہیں۔"

"لیکن اس زاویے کو بھی نظرانداز نہیں کرنا چاہیے۔ لوگوں نے تعلیم شہر میں حاصل کی' دولت شہر سے کمائی' اور بھی بہت کچھ حاصل کیا مگر اس کا ایک حصہ بھی شہر کو واپس نہیں دینا چاہتے۔ وہ خود غرضانہ انداز میں سوچتے ہیں۔ ان کی بہبود کی فکر ان کے اپنے گھروں اور بچوں تک محدود رہتی ہے۔ گرد و پیش کو وہ اپنی ذمے داری تسلیم ہی نہیں کرتے۔"

"میں بھی کبھی کبھی یہی سوچتی ہوں۔" سلمٰی نے معجوب انداز میں کہا۔ "واقعی کچھ کرنا چاہیے مگر ایک آدمی کیا کر سکتا ہے؟"

"کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔" نادر نے کہا۔ "بہتر یہی ہے کہ چائے کی ایک پیالی اور پی جائے اور سیاست کا پیچھا چھوڑ دیا جائے۔"

اس گفتگو کے دوران عدنان' شبانہ کو بہ غور دیکھتا رہا تھا۔ شبانہ کی پیشانی پر شکنیں تھیں اور نگاہوں میں تفکر کا غبار۔ چنانچہ نادر نے موضوع گفتگو بدلا تو عدنان نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ چائے کی ایک اور پیالی پینے کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ارشاد اور سلمٰی اسے روکتے رہے۔ مگر وہ شبانہ کو لے کر نکل آیا۔

راستے میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ عدنان خاموشی سے موٹر سائیکل چلاتا رہا۔ پل پار کرنے کے بعد اس نے موٹر سائیکل کچے میں ڈال دی۔ دریا کے قریب پہنچ کر اس نے موٹر سائیکل روکی' سوئچ آف کیا اور پلٹ کر شبانہ کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرایا۔ "غلط



سمجھ رہی ہو۔" اس نے کہا۔ "میری دست درازی کاغذ اور قلم سے آگے کبھی نہیں بڑھتی۔"

"تو پھر موٹر سائیکل روکنے کا سبب؟" شبانہ کی نگاہوں سے بے یقینی جھانک رہی تھی۔

"سگریٹ پینے کو جی چاہ رہا تھا۔" عدنان نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "تمہیں میرے دوست اچھے لگے؟"

"اچھے لوگ ہیں مگر تم ان سے جو بحث کر رہے تھے' وہ دراصل مجھے متاثر کرنے کے لیے تھی۔ ہے نا؟ تم خواہ مخواہ انہیں شرمندہ کرتے رہے۔ تم یہ کیوں چاہتے ہو کہ سب اپنا راستہ چھوڑ کر تمہارے رستے پر چلیں۔" شبانہ کے لہجے میں برہمی تھی۔

"ذمے داریوں سے منہ موڑنا تمہارے نزدیک قابلِ ستائش ہے؟" عدنان نے آہ بھر کے کہا۔

"شہر کی انتظامیہ کو درست کرنا ان کی ذمے داری نہیں ہے۔"

"اس وقت میں ان کی نہیں تمہاری بات کر رہا ہوں۔ تمہاری غیر ذمے داری سے ایک بے گناہ شخص کو پھانسی ہو سکتی ہے۔"

"تمہیں پتا ہے' میں آج رات تمہارے ساتھ کیوں آگئی؟" شبانہ نے سرگوشی میں پوچھا۔ عدنان نے نفی میں سر ہلایا تو اس نے وضاحت کی۔ "مجھے ہدایت کی گئی ہے کہ تم سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کروں۔ اب تم سمجھے میں کس کی حلیف ہوں؟"

عدنان بری طرح چڑ گیا۔ "تب تو مجھے ان کے تحفے سے استفادہ کرنا چاہیے۔ تمہیں بھی استعمال ہونے کا کچھ تو احساس ہو۔" یہ کہہ کر اس نے شبانہ کو اپنی طرف گھسیٹ لیا۔ شبانہ نے چند لمحے مزاحمت کی مگر پھر اس پر خود سپردگی طاری ہو گئی۔ عدنان نے اسے ایک طرف ہٹایا اور موٹر سائیکل اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔ "ان سے کہنا' ان کا تحفہ مجھے پسند نہیں آیا۔ مجھے تم سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

اب شبانہ چپکے چپکے رو رہی تھی اور عدنان کو افسوس ہو رہا تھا۔ جہاں مردوں کا بس نہیں چل رہا ہو' ایک بے بس لڑکی سے ایثار کی امید' زیادتی ہی ہوتی ہے۔

☆=====☆=====☆

اگلی صبح بابر' عدنان سے شکایت کر رہا تھا۔ "تم نے مجھے بتائے بغیر ہی دھماکا کر دیا۔ ایس پی حامد چار بار فون کر چکا ہے۔ وہ جاننا چاہتا ہے کہ تم نے اپنے کالم میں ممکنہ قاتل کا

جو حلیہ بیان کیا ہے' وہ تمہیں کہاں سے ملا؟ کیا جواب دو گے اسے؟"

"دو جواب ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ میں اپنی سورس نہیں بتا سکتا۔ دوسرے یہ کہ میری سورس افواہ ہے۔ آپ کا خیال ہے؟"

"دوسرا جواب بہتر ہے۔" بابر نے کہا۔ "اور ہاں عدنان' اب محتاط رہنا۔ تم واحد آدمی ہو' جو قتل کی رات عاصم مرزا کے گھر سے نکلنے والے شخص سے واقف ہو۔"

بابر کے لہجے کی محبت نے عدنان کو چونکا دیا۔ "آپ میری فکر نہ کریں۔" اس نے کہا۔

"ایس پی حامد سے اس کے دفتر میں مل لینا۔" بابر نے خشک لہجے میں کہا۔ شاید اسے احساس ہو گیا تھا کہ اس کے پچھلے جملے سے تعلق خاطر جھلک رہا تھا۔

عدنان مقررہ وقت پر ایس پی حامد کے دفتر پہنچا۔ حامد فوراً ہی مطلب کی بات پر آ گیا۔

"عدنان........! تم نے اپنے کالم میں ایک حلیہ بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ ہم اس شخص کو شہلا کے قتل کے سلسلے میں تلاش کر رہے ہیں۔ یہ کیا چکر ہے؟ تم نے گھڑی ہے یہ بات........ یا کوئی اور بات ہے؟"

"اس کا مطلب ہے کہ بات غلط ہے۔" عدنان نے معصومیت سے کہا۔

"زیادہ ہوشیاری مت دکھاؤ۔ ہمیں کسی کی تلاش نہیں۔ میئر تمہارے کالم پر بہت برہم ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ تم اچھے اخبار نویس ہو' بے بنیاد افواہوں کو اپنے کالم میں جگہ نہیں دیتے۔ اس کا مطلب ہے' یہ اطلاع تمہیں کہیں سے ملی ہو گی۔ کسی معتبر شخص نے تمہیں یہ اطلاع دی ہو گی۔ اس کا نام جاننا چاہتا ہوں۔"

صرف آپ ہی نہیں' میئر صاحب بھی جاننا چاہتے ہوں گے۔"

"درست ہے........ اور یہ میئر صاحب کا حق ہے۔ تمہارا کالم یہ تاثر دیتا ہے کہ ہم عاصم مرزا کے خلاف مکمل کیس تیار نہیں کر سکے ہیں جبکہ ایسا نہیں ہے لیکن ہم تمہارا کالم پڑھنے والوں کو یہ نتیجہ اخذ کرنے سے نہیں روک سکتے۔ تمہیں کسی نے خطرناک حد تک غلط اطلاع فراہم کی ہے۔ اس کا نام ہمیں بتا دو۔ اسی میں ہماری اور خود تمہاری بہتری ہے۔"

"ایک نامعلوم شخص نے فون پر یہ بات مجھے بتائی تھی۔" عدنان نے کہا۔

"میں صرف حقیقت جاننا چاہتا ہوں عدنان۔ اس وقت میں معمے حل کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"



عدنان ہچکچایا۔ وہ حامد کو برسوں سے جانتا تھا۔ حامد اے ایس آئی کے عہدے سے ترقی کر کے یہاں تک پہنچا تھا۔ ذاتی طور پر وہ ایک دیانت دار افسر تھا۔ وہ مستعد بھی تھا اور ذہین بھی لیکن اپنی دیانت داری کے باوصف وہ سمجھوتے کا قائل تھا اور بالائی سطح کے کرپشن کو نظر انداز کر دیتا تھا........ وہاں وہ غیر جانب دار ہو جاتا تھا۔ الجھن یہ تھی کہ ایسے شخص سے کھل کر بات کی جا سکتی ہے۔ یا نہیں۔

بالآخر عدنان ایک نتیجے پر پہنچ گیا۔ "پہلے آپ یہ بتائیں کہ کانسٹیبل افسر خان نے خودکشی کیوں کی؟" اس نے ایس پی سے پوچھا۔

"اس کی بے شمار وجوہ ہو سکتی ہیں۔ نشے کی عادت' بیماری' مستقبل کا خوف' پریشانی وغیرہ وغیرہ۔"

"شہلا کے قتل کی رات افسر خان نے فون پر مجھے بتایا کہ اس نے عاصم مرزا کے مکان سے ایک شخص کو نکلتے دیکھا ہے لیکن بعد میں انسپکٹر شفاعت کے دباؤ کی وجہ سے منحرف ہو گیا۔"

ایس پی الجھن بھری نظروں سے عدنان کو دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ "تم جانتے ہو کہ افسر خان چرس اور افیون کا عادی تھا؟"

"پھر افسر خان نے امیر پور جا کر خودکشی کر لی۔ حالانکہ یہاں بھی کر سکتا تھا۔ کیا اس کی موت پراسیکیوشن کے حق میں جاتی؟"

"تم اندازوں کو بنیاد بنا کر بات کر رہے ہو عدنان۔ جبکہ ہمارا واسطہ حقائق سے ہے۔"

"اور پوسٹ مارٹم رپورٹ میں یہ بات کیوں چھپائی گئی کہ شہلا تین ماہ کے حمل سے تھی؟"

"کیا........؟ کیا مطلب........؟" ایس پی حامد چونکا۔ مگر اس نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا۔ "یہ بات چھپائی گئی تو اس کی معقول وجہ بھی ہو گی۔ تم اپنی سورس کا نام بتاؤ۔"

عدنان ہچکچایا۔ اس نے سوچا کہ سب کچھ سچ سچ بتا دے تو ایس پی حامد مذکورہ شخص کو تلاش کروانے پر مجبور ہو جائے گا۔ دوسری طرف وہ اس شہادت کو یہ کہہ کر نظر انداز بھی کر سکتا ہے کہ افسر خان نشے میں ہو گا لیکن پبلک بہرحال شک میں پڑ جائے گی۔ اس صورت میں افسر خان کی وہ شہادت بھی تو مشکوک ٹھہرے گی' جو اس نے مجسٹریٹ کے

سامنے دی تھی۔ یہ تو ممکن نہیں کہ ایک شہادت قبول کر لی جائے اور دوسری کو نشے کی عادت کی بنا پر مسترد کر دیا جائے۔

"بولو نا........ تمہیں وہ حلیہ کس سے معلوم ہوا؟" ایس پی کے تیز لہجے نے اسے چونکا دیا۔

عدنان نے فیصلہ کیا کہ سچ بولنا نامناسب ہے۔ وہ جواب دینے ہی والا تھا کہ دروازہ کھلا اور میئر صابر لبوں پر مسکراہٹ سجائے کمرے میں داخل ہوا لیکن عدنان پر نظر پڑتے ہی مسکراہٹ کافور ہو گئی۔ "میں تمہاری ہی تلاش میں تھا۔" اس نے عدنان سے کہا' پھر ایس پی سے پوچھا۔ "اس سے بات ہوئی؟"

"ابھی ہم ڈسکس کر رہے ہیں۔" حامد نے کہا۔

"ڈسکس کرنے کی کوئی بات نہیں۔" میئر نے بے پروائی سے کہا۔ "کسی نے عدنان کو غلط خبر فراہم کی ہے۔ اس کی تردید چھپ جائے گی۔ مگر میں اطلاع فراہم کرنے والے کا نام ضرور پوچھوں گا۔"

"بس........ اتنی سی بات؟"

"تم میرا مضحکہ اڑا رہے ہو؟" میئر کا لہجہ خراب ہو گیا۔ "مجھے صاف صاف جواب دو۔ مجھے جو کہنا تھا' وہ میں کہہ چکا۔"

"میں تردید کے سوا کیا کر سکتا ہوں۔ اگر پولیس کو کسی کی تلاش نہیں ہے تو خبر یقیناً غلط ہے۔" عدنان نے کہا۔

"اب مجھے اپنے انفارمر کا نام بتاؤ۔"

"کسی گمنام شخص نے فون کیا تھا مجھے۔"

"زیادہ چالاک نہ بنو۔ فون کی بنیاد پر تم کچھ نہیں لکھ سکتے۔ اگر تم یوں نہیں مانو گے تو میں تمہارے خلاف بیان جاری کر دوں گا کہ تم غیر ذمے دار اور جھوٹے ہو اور تمہارا کالم کسی اچھے اخبار میں چھپنے کے لائق ہرگز نہیں ہے۔"

"ضرور جاری کر دو۔ میرا رزق تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔" عدنان نے خشک لہجے میں کہا۔

"پلیز........ بے کار الجھنے کی کیا ضرورت ہے" ایس پی حامد نے مداخلت کی۔

"میں تم سے بات نہیں کر رہا ہوں۔" میئر اس پر الٹ پڑا۔ پھر وہ عدنان کی طرف مڑا۔ "میں تمہیں کیچڑ اچھالنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ یہ میرا شہر ہے سمجھے؟"



"آپ کو اور کچھ تو نہیں کہنا؟" عدنان نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"میں تمہارے انفارمر کا نام جاننا چاہتا ہوں اور جان کر رہوں گا۔ نہیں بتاؤ گے تو زندگی بھر پچھتاؤ گے۔" میئر نے بہ مشکل اپنے غصے پر قابو پایا۔

عدنان کا ضبط بھی جواب دے رہا تھا۔ "تو اندر کر دو مجھے۔ تھرڈ ڈگری استعمال کر کے اگلوا لو مجھ سے۔ تم نے اپنی فائلوں سے اس شخص کا وجود مٹا دیا ہے مگر وہ موجود ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ موجود ہے۔ عاصم مرزا کا کیس بدبو دار ہے اور کسی دن یہ بدبو شہر کے عوام تک بھی پہنچ جائے گی۔ لوگوں کو الیکشن تک گیس ماسک پہننے کا پابند کر دو۔" یہ کہہ کر عدنان اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ میئر اب مغلظات بک رہا تھا۔ عدنان دروازے پر رک کر کچھ دیر سنتا رہا۔ پھر اس نے پلٹ کر کہا۔ "تم کاش........ تم اپنے اندر کی غلاظت اسی طرح باہر نکالنے کے عادی ہوتے۔ کم از کم یہ شہر پھر اس قدر غلیظ تو نہ ہوتا۔" یہ کہہ کر وہ ایس پی کے کمرے سے نکل آیا۔

☆======☆======☆

وہ دفتر پہنچا تو بابر اس کا منتظر تھا۔ بابر نے کچھ ہی دیر پہلے فون رکھا تھا۔ "اپنی انرجی ضائع نہ کرو۔ مجھے سب معلوم ہو چکا ہے۔" بابر نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "ایک اور خبر........ افسر خان کی بیوہ تم سے بات کرنا چاہتی ہے۔ استقبالیہ کمرے میں اس سے مل لو۔"

عدنان استقبالیہ کمرے میں پہنچا تو افسر خان کی بیوی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے ہونٹوں پر سوگوار سی مسکراہٹ ابھری۔

"عدنان صاحب........! میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آپ کے سوا کس سے بات کروں' اس لیے چلی آئی۔" اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔

"اچھا کیا آپ نے۔ بیٹھیے اور مجھے بتائیے' کیا مسئلہ ہے؟"

"کل مجھے پولیس ہیڈ کوارٹر بلایا گیا تھا۔ پہلے تو تعزیت کی گئی' ہمدردی کی باتیں ہوئیں۔ پھر انہوں نے میرے شوہر کی پنشن کا تذکرہ نکالا۔ ان کا کہنا ہے کہ میں اپنے شوہر کو پاگل قرار دوں تو پنشن مل سکتی ہے۔ ورنہ اسے نااہل قرار دے دیا جائے گا اور اس صورت میں مجھے ایک دھیلا بھی نہیں ملے گا۔ آخر وہ انہیں پاگل کیوں ثابت کرنا چاہتے ہیں؟"

"خاتون........! آپ کے شوہر نے شہلا کے قتل کی رات ایک مشکوک شخص کو

دیکھا تھا۔ ہم اس کی شہادت سامنے لانے والے ہیں اور محکمہ پولیس کسی وجہ سے اسے غیر مئوثر کرنا چاہتا ہے۔ بس اتنی سی بات ہے۔ خیر......... یہ بتایئے' آپ نے انہیں کیا جواب دیا؟"

"میں نے ان سے سوچنے کے لیے چار دن کی مہلت لی ہے۔ اب میں کیا کروں؟ میرا دل نہیں مانتا کہ اپنے مرے ہوئے شوہر کو صرف پنشن کی خاطر پاگل قرار دوں۔ بتایئے' میں کیا کروں؟"

"آپ بیماری کا بہانہ کر کے انہیں ٹالتی رہیے۔ ہم اس کیس پر تیزی سے کام کر رہے ہیں۔ انشاء اللہ جلد ہی کوئی نتیجہ نکل آئے گا۔ آپ کے شوہر کی روح بھی مطمئن رہے گی۔"

"شکریہ" افسر خان کی بیوی اٹھ کھڑی ہوئی۔ عدنان دروازے تک اسے چھوڑنے گیا۔ "عدنان صاحب' میرے شوہر نے کبھی رشوت نہیں لی تھی۔"

"میں جانتا ہوں۔ اللہ انہیں اجر دے گا۔"

☆======☆======☆

عدنان پرانے اخبار سامنے رکھے شام تک پارکنگ اتھارٹی کے متعلق معلومات جمع کرتا رہا۔ پھر اس نے نوٹس سمیٹے اور کاروباری صفحے کے انچارج کے پاس چلا آیا۔ نواز فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ اس نے عدنان کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ عدنان نے ٹانگیں پھیلائیں اور سگریٹ سلگایا۔ وہ بہت زیادہ تھکن محسوس کر رہا تھا۔

نواز ریسیور رکھنے کے بعد اس کی طرف متوجہ ہوا۔ "کہو شہزادے......... ہماری طرف کیسے آنکلے؟"

"میں دینار کنسٹرکشن کمپنی اور شالیمار کارپوریشن کے متعلق جاننا چاہتا ہوں۔ ان کے مالک کون لوگ ہیں۔ مالی اعتبار سے کیسی ہیں یہ کمپنیاں۔ پارکنگ اتھارٹی کے پچانوے فی صدی ٹھیکے انہی دو کمپنیوں کو ملے ہیں۔" عدنان نے کہا۔ "دراصل میں پارکنگ پرابلم کے بارے میں کالم لکھنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں اپنے ایک آدمی کو اس کام پر لگا دوں گا۔"

عدنان واپس آکر بیٹھا ہی تھا کہ ایس پی حامد کا فون آگیا۔ اس نے میئر کے رویے کی مذمت اور اس پر عدنان سے معذرت کی۔ پھر وہ مطلب کی بات کی طرف آیا۔ "تمہیں جو کچھ معلوم ہے' وہ مجھے بتا دو عدنان۔" اس نے کہا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری



معلومات کو دیانت داری اور مستعدی کے ساتھ استعمال کروں گا۔"

"بے کار باتیں ہیں' مجھے یہ بتایئے' آپ کو کیا پریشانی لاحق ہے؟" عدنان نے سرد لہجے میں کہا۔

"تم اپنی جگہ ٹھیک ہو عدنان! شاید میں اس رویے کا مستحق ہوں لیکن میں نے اوپر والوں کے دباؤ کے باوجود ہمیشہ دیانت سے کام لیا ہے' تمہیں معلوم ہے بعض سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں لیکن میں کرپٹ ہرگز نہیں ہوں۔"

"سمجھوتا ہی کرپشن کا نقطۂ آغاز ہوتا ہے۔" عدنان نے کہا اور ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

کوئی دو گھنٹے بعد انٹرکام پر نواز سے بات ہوئی۔ "دونوں کمپنیاں رجسٹرڈ ہیں۔" نواز نے بتایا۔ "مالی اعتبار سے مضبوط ہیں اور فائدے میں جا رہی ہیں لیکن کوئی چکر ضرور ہے۔ مثلاً میں ان کی اونر شپ سے مطمئن نہیں ہوں۔ دوسرے انہوں نے ابنارمل حد تک تیزی سے ترقی کی ہے اور اس میں پارکنگ اتھارٹی کی مہربانیوں کا بڑا ہاتھ ہے۔ مالکان کی حیثیت سے پانچ نام سامنے آتے ہیں۔ ان میں سے دو واقف ہیں۔ ان میں نہ تو انتظامی صلاحیت ہے اور نہ کاروباری ذہانت' اسی لیے میرا خیال ہے کہ وہ ڈمی ہیں اور اصل مالکان پس پردہ ہیں۔ وجوہات کچھ بھی ہو سکتی ہیں۔"

"اصل مالکان کے متعلق پتا نہیں چل سکتا کسی طرح؟" عدنان نے پوچھا۔

"یہ ٹیڑھی کھیر ہے چھپنے والے آسانی سے سامنے نہیں آتے۔"

"شکریہ نواز۔ اب میں خود کوشش کروں گا۔"

"کامیابی کی صورت میں مجھے بھی بتانا۔ میرا ریکارڈ اپ ٹو ڈیٹ ہو جائے گا۔"

"او کے۔"

عدنان بیٹھا سوچتا رہا۔ مطلوبہ معلومات حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ رہ گیا تھا......... سودے بازی۔ اس کی اہمیت یہ تھی کہ وہ دنیا میں واحد آدمی تھا جسے کانسٹیبل افسر خان نے مکمل حقیقت بتائی تھی۔ وہ سودے بازی کی پوزیشن میں تھا۔ چنانچہ کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے ریسیور اٹھایا اور ایس پی حامد کا نمبر ڈائل کیا۔ وہ بہت بڑا جوا کھیل رہا تھا۔

"مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔" اس نے دوسری طرف سے حامد کی آواز سنتے ہی کہا۔ "معلومات کے بدلے معلومات؟"

"ٹھیک ہے۔ شروع ہو جاؤ۔"

"میں امیرپور کے شادمان ہوٹل میں افسر خان سے ملا تھا۔ جو حلیہ میرے کالم میں چھپا ہے، وہ افسر خان کا بتایا ہوا تھا پھر میں نے تحقیق کی تو پتا چلا کہ واردات قتل سے دو تین دن پہلے اس حلیے کے آدمی کو گھنشام کے ساتھ دیکھا گیا تھا۔"

دوسری طرف کچھ دیر خاموشی رہی پھر ایس پی حامد نے کہا۔ "تم نے مجھے بڑے امتحان میں ڈال دیا ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ سرخرو ہوں۔ اب یہ بتاؤ، تمہیں کس قسم کی مدد درکار ہے؟"

"میں دینار کنسٹرکشن اور شالیمار کارپوریشن کے مالکان کے نام جاننا چاہتا ہوں۔"

"یہ کیا مشکل ہے؟"

"مشکل تو ہے۔ میں ظاہری نہیں، اصلی مالکان کی بات کر رہا ہوں اور مجھے یہ معلومات جلد از جلد چاہئیں۔"

"ٹھیک ہے، میں دس بجے تمہیں فون کروں گا۔"

عدنان نے ریسیور رکھ دیا۔ اس نے خود کو بہت بڑے خطرے میں ڈالا تھا۔ اگر ایس پی نے وہ معلومات میئر اور گھنشام تک پہنچا دیں تو اس کی زندگی کی کوئی ضمانت نہیں تھی۔

اب اسے دینار کنسٹرکشن کمپنی کے آرکیٹیکٹ ظفر سے ملنا تھا۔

☆=====☆=====☆

ظفر کا بنگلا شہر کے فیشن ایبل علاقے میں تھا۔ عدنان نے اپنی موٹر سائیکل پورچ میں کھڑی کی۔ اسی وقت صدر دروازہ کھلا اور ظفر نے کہا۔ "تشریف لے آیئے۔"

عدنان بنگلے میں داخل ہوا۔ ڈرائنگ روم بے حد کشادہ اور آراستہ تھا۔ "چائے پئیں گے یا کافی؟" ظفر نے موسم کی مناسبت سے پوچھا۔

"چائے پلوا دیجئے۔ ویسے اس تکلف کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔"

ظفر نے ملازمہ کو چائے لانے کی ہدایت کی اور پھر عدنان کی طرف متوجہ ہوا۔ "اب میرا تجسس دور کر دیجئے۔ کیسے زحمت کی آپ نے؟"

عدنان نے چند رسمی اور ابتدائی سوال کیے، پھر پوچھا۔ "یہ فیصلہ کون کرتا ہے کہ پارکنگ لاٹ کے لیے فلاں جگہ مناسب ہے؟"

"یہ میرے اور اتھارٹی کے مختلف اراکین کے دوران متعدد ملاقاتوں کے بعد طے پاتا ہے۔ ان ملاقاتوں میں کسی بھی سائٹ کے سلسلے میں ممکنہ وسائل سامنے لا کر ان کے حل کے بارے میں سوچا جاتا ہے۔ پروجیکٹ کی حتمی منظوری اتھارٹی کا چیئرمین اپنے



اسٹاف سے مشورے کے بعد دیتا ہے، میری اور تعمیراتی کمپنی کی سفارشات بھی اس کے پیش نظر رہتی ہیں۔"

"یہ تو بڑا جمہوری طریق کار معلوم ہوتا ہے۔ پھر اتنی زیادہ غلطیاں کیسے ہوتی ہیں؟"

"میں سمجھا نہیں آپ کا مطلب!"

اتنی دیر میں ملازمہ چائے لے آئی تھی۔ عدنان نے ایک طویل گھونٹ لے کر کہا۔

"کئی بار ایسا ہوا کہ آپ نے پارکنگ لاٹ کے لیے کسی مخصوص پلاٹ پر کام شروع کیا، پیسہ اور وقت ضائع کر کے زمین ہموار کرائی اور پھر فیصلہ کیا کہ وہ جگہ پارکنگ لاٹ کے لیے نامناسب ہے۔"

"بدقسمتی سے تعمیرات پلاننگ ناقابل تردید فارمولوں والی سائنس نہیں ہے بعض اوقات زمین بہت زیادہ پتھریلی نکل آتی ہے، کبھی محض ایک فٹ کھدائی پر پانی نکل آتا ہے۔ جگہ کے انتخاب کا معاملہ اتنا سادہ اور آسان نہیں، جتنا نظر آتا ہے۔"

"ممکن ہے، آپ درست کہہ رہے ہوں لیکن نقصان تو عوامی دولت کا ہوتا ہے نا۔"

"میں اس نقصان پر عوام سے ہمدردی کے سوا کیا کر سکتا ہوں۔" ظفر کے ہونٹوں پر ایک محتاط مسکراہٹ ابھری۔ "ایسے موقعوں پر سب سے زیادہ مایوسی تو مجھے ہی ہوتی ہے۔"

"جی ہاں، جیسے ہی آپ کو اندازہ ہوتا ہو گا کہ مجوزہ جگہ پارکنگ لاٹ کے لیے نامناسب ہے، آپ حکام کو اپنی رائے سے آگاہ کر دیتے ہوں گے؟"

"یہ درست ہے؟"

"آپ کس انداز میں مطلع کرتے ہیں انہیں؟"

"اس کا کوئی فارمولا نہیں ہے۔ بہرحال میں مجوزہ تبدیلی کی وجوہات کے ساتھ کمیٹی کے ملاحظے کے لیے متبادل سائٹ بھی تجویز کر دیتا ہوں۔"

"یہ کس کمیٹی کی بات کر رہے ہیں آپ؟"

"معاف کیجئے......... میرا مطلب تھا، چیئرمین کے ملاحظے کے لیے۔" ظفر نے گڑبڑا کر کہا۔ "چیئرمین اور ان کا اسٹاف میری تجاویز پر غور کر کے فیصلہ کرتا ہے۔"

"اور میرا خیال ہے، میئر صابر پارکنگ اتھارٹی کا چیئرمین ہے۔"

"جی ہاں۔"

"تو محض آپ کے کہنے پر پروجیکٹ کینسل یا کسی اور سائٹ پر منتقل کر دیا جاتا ہے؟"

"جی ہاں۔"

"اب تک ایسی کتنی تبدیلیاں ہو چکی ہیں؟"

"مجھے یاد نہیں۔ کل اپنی سیکرٹری سے پوچھوں گا۔ وہ ریکارڈ چیک کر کے بتا سکے گی۔"

"پھر بھی...... اندازاً ہی بتا دیجئے۔"

"میرا اندازہ ہے کہ اب تک نو دس بار ایسا ہوا ہے۔" ظفر نے جواب دیا۔

"تبدیلی منظور ہونے کے بعد اس پلاٹ کا کیا ہوتا ہے جس پر آپ کام کرنے کے بعد مسترد کر دیتے ہیں۔ وہ تو کنسٹرکشن کے لیے آئیڈیل اور مہنگا پلاٹ ہو جاتا ہو گا۔"

"یہ میرا شعبہ نہیں۔" ظفر نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔ "یہ اتھارٹی کا کام ہے۔"

"آپ کو نہیں معلوم کہ وہ پلاٹ کسے اور کتنے میں بیچا جاتا ہے؟"

"نہیں۔"

"تجسس تو ہوتا ہو گا آپ کو۔"

"مجھے تو آپ کے سوالات اور لہجے پر تجسس ہے۔" ظفر اچانک اٹھ کھڑا ہوا۔ "آپ مجھ سے سیدھی سیدھی بات کریں۔ میں آپ کے چبھتے ہوئے سوالوں سے عاجز آچکا ہوں۔"

"تو سن لیجئے۔ پارکنگ اتھارٹی کروڑوں بلکہ اربوں روپے کی بدعنوانیوں میں ملوث ہے اور آپ اس میں شامل ہیں۔" عدنان بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"بس...... بہت ہو گئی۔ آپ میرے گھر میں بیٹھ کر مجھے جھوٹا اور چور قرار دے رہے ہیں۔"

"آپ کے خیال میں یہ بات مجھے کورٹ میں کہنی چاہیے یا کسی عوامی اجتماع میں؟" عدنان نے زہرخند سے کہا۔

"مسٹر عدنان......! آپ بہت غیر ذمے دارانہ گفتگو کر رہے ہیں۔" ظفر کا چہرہ تمتما اٹھا۔

"واقعی...... مجھے آپ کے اور آپ کے کام کے بارے میں حتمی فیصلہ کرنے کا حق



نہیں۔ میں معذرت خواہ ہوں لیکن سوال کرنا میرا حق ہے کاش......! میں اور آپ سڑک کی ایک ہی سمت ہوں، لیکن اس صورت میں آپ کو پارکنگ اتھارٹی سے اپنے روابط میرے چبھتے ہوئے سوالوں کی روشنی میں چیک کرنا ہوں گے لیکن آپ سڑک کے دوسری طرف ہیں تو بات اور ہے۔"

"ہم اصلاحی تجاویز کے لیے ہمیشہ اوپن رہتے ہیں۔ ہمیں تو یہ شکایت رہتی ہے کہ پبلک ہمارے کام میں دلچسپی نہیں لیتی۔ مجھے آپ کی بات بری نہیں لگی۔"

"اس کی فکر نہ کریں۔ پبلک عنقریب پارکنگ اتھارٹی کے کاموں میں زبردست دلچسپی لے گی۔ آپ کے تعاون کا شکریہ۔" عدنان نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

عدنان اپنے گھر واپس آیا۔ وہاں سے اس نے اپنے ایک دوست کو فون کیا، جس کی اسٹیٹ ایجنسی تھی۔ اس نے اپنے دوست کو ظفر کے بنگلے کا محل وقوع بتاتے ہوئے دریافت کیا کہ اس علاقے میں ہزار گز کے بنگلے کی کیا قیمت ہو گی۔ "تیس لاکھ سے کم نہیں ہو سکتی۔" اس کے دوست نے جواب دیا۔

عدنان بیٹھا سوچتا رہا۔ ایک آرکیٹیکٹ کے پاس تیس لاکھ کا بنگلہ ہونے کا ایک ہی مطلب تھا کہ وہ پارکنگ اتھارٹی کی بدعنوانیوں میں برابر کا شریک ہو گا۔

دس بجے اس نے ایس پی حامد کے گھر کا نمبر ڈائل کیا۔ "تمہاری مطلوبہ معلومات حاصل ہو گئی ہیں۔" دوسری طرف سے حامد نے کہا۔ "لیکن میں نے اپنے لیے مسائل بھی کھڑے کر لیے ہیں۔ میں نے ان کمپنیوں کے دو ظاہری مالکان کو اٹھوا کر ان سے حقیقت اگلوائی۔ میئر کو یہ بات معلوم ہو چکی ہے۔ کل تک وہ مجھے معطل کرا دے گا۔ کیا صلہ ملا ہے مجھے؟"

"کوئی بات نہیں۔ تم نے خود کو ایک قابل فخر دیانت دار افسر تو ثابت کر دیا۔" عدنان نے اسے دلاسا دیا۔

"ہاں، لیکن میں مصیبت میں بھی پھنس گیا۔"

"یہ تو بتا دو کہ ان کمپنیوں کے مالکان کون ہیں؟"

"میں حیران ہوں، مجھے آج تک پتا ہی نہیں چلا۔ اس انکشاف نے مجھے بھی ہلا ڈالا۔ گھنشام پچاس فی صد کا حصے دار ہے اور یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں لیکن پچاس فی صد کا حصے دار انعام ملک ہے۔ ذرا سوچو تو...... انعام ملک۔"

عدنان بھی حیران رہ گیا۔ انعام ملک نے بڑی جدوجہد کے بعد یہ مقام حاصل کیا تھا۔

اس نے صرف محنت سے کام شروع کیا تھا اور اب ملک کی سب سے بڑی تعمیراتی کمپنی کا مالک تھا۔ بے حد مخیر آدمی تھا۔ فلاحی کاموں میں بے دریغ پیسہ خرچ کرتا تھا۔ اسے شکایت تھی کہ پارکنگ اتھارٹی کا ایک ٹھیکہ بھی اس کی کمپنی کو نہیں ملا ہے جبکہ درپردہ وہ ان دو کمپنیوں کا پارٹنر تھا جنہیں پارکنگ اتھارٹی کے تمام ٹھیکے ملتے تھے۔

"میں تمہارا شکر گزار ہوں۔" عدنان نے کہا۔ "ہم سب تمہارے دوست ہیں۔ میرے کالم میں تمہارا تذکرہ بہت اچھے انداز میں ہو گا۔"

"میں بہت افسردہ ہوں۔ چوبیس سال کی سروس ہے میری' اور دس منٹ ایمان داری سے کام کیا تو میئر میری چھٹی کرانے والا ہے۔"

"غم نہ کرو...... اور خود کچھ نہ کرنا۔ سب کچھ میئر ہی کو کرنے دو۔ تم تنہا ہرگز نہیں ہو۔" عدنان نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ پھر اس نے کپڑے بدلے۔ اس دوران وہ انعام ملک اور گھنشام کے گٹھ جوڑ کے بارے میں سوچتا رہا اور کڑھتا رہا۔

وہ فلیٹ سے نکل ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے جھنجلا کر ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف شبانہ تھی۔ "تم نے کہا تھا نا کہ ارادہ بدل لو تو مجھے فون کر دینا۔ میں تم سے ملنا چاہتی ہوں' میں نے اپنی چپ توڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"تم اس وقت کہاں ہو؟" عدنان نے پوچھا۔

"رین بو کلب میں ہوں' یہیں آجاؤ۔"

عدنان کو اس کا لہجہ کچھ غیر معمولی لگا۔ "مجھے ابھی کسی سے ملنے جانا ہے۔ میں ساڑھے گیارہ بجے تک آسکوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تمہارا انتظار کروں گی۔"

☆=====☆=====☆

عدنان نے انعام ملک کے بنگلے کے گیٹ پر اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبایا۔ اسے غصہ آرہا تھا انعام ملک پر۔ ان لوگوں پر جو چہروں پر دیانت داری کا نقاب چڑھائے رہتے ہیں۔ اب تک اس کا اپنا رویہ غیر جانب دارانہ تھا۔ اس سرجن کا سا' جس کے سامنے کوئی ناسور ہو اور اسے اس کا آپریشن کرنا ہو۔ اس کے نزدیک وہ ایک کام تھا۔ دشوار اور تکلیف دہ کام' جس کے لیے اسے اپنا تجربہ اور فنی مہارت استعمال کرنا تھی۔ مگر اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ یہ کام' کام سے کچھ زیادہ ہے۔

دروازہ ایک ادھیڑ عمر ملازمہ نے کھولا۔ عدنان نے اسے بتایا کہ وہ ملک صاحب سے



ملنا چاہتا ہے۔

"وہ آج رات سکندر آباد جا رہے ہیں۔ ایئرپورٹ روانگی کی تیاری کر رہے ہیں۔" ملازمہ نے کہا۔

"میں ان کا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ میرا نام ناصر عدنان ہے۔ میں روزنامہ جمہور میں کالم لکھتا ہوں۔"

"آپ ڈرائنگ روم میں انتظار کیجئے۔ میں انہیں بتاتی ہوں۔" ملازمہ اسے ڈرائنگ روم میں لے آئی اور خود انعام ملک کو مطلع کرنے چلی گئی۔

کچھ دیر بعد انعام ملک کمرے میں داخل ہوا۔ "نوجوان' میں تمہیں زیادہ وقت نہیں دے سکوں گا۔" اس نے آتے ہی کہا۔

"میں نے آپ کے متعلق ایک افواہ سنی ہے' اسی سلسلے میں حاضر ہوا ہوں۔"

"افواہیں میرے لیے کوئی نئی مصیبت نہیں۔ خیر...... بتاؤ' اس بار کیا خبر ہے۔"

"خبر یہ ہے کہ آپ گھنشام کی شراکت میں کاروبار کر رہے ہیں۔"

انعام ملک نے قہقہہ لگایا۔ "بھئی یہ افواہ تو واقعی زوردار ہے۔"

"آپ اور گھنشام شالیمار کارپوریشن اور دینار کنسٹرکشن کمپنی میں برابر کے حصے دار ہیں۔" عدنان نے بات آگے بڑھائی۔

اس بار انعام ملک کا منہ کھل گیا۔ اس کے چہرے پر حیرت کا تاثر ابھرا۔ مگر اس نے بڑی تیزی سے خود کو سنبھال لیا۔ "بس؟ یا کچھ اور؟ میں جلدی میں ہوں۔" اس نے کہا۔

"اس پر کیا تبصرہ ہے آپ کا؟"

"یہ سراسر جھوٹ ہے۔ ایسے جھوٹ پر کوئی تبصرہ کر کے میں آپ کی اہمیت کیوں بڑھاؤں۔"

"آپ گھنشام کو جانتے ہیں؟"

"میں نے اسے دیکھا ہے۔ اگر اسے جاننا کہا جا سکتا ہے تو یہی سمجھ لو۔ میں بہت برداشت کا آدمی ہوں لیکن تم نے یہ افواہ شائع کی تو تمہارے اخبار کو بہت مہنگی پڑے گی۔"

"میں بھی آپ کو بتا دوں' یہ افواہ نہیں' مستند خبر ہے۔ دونوں کمپنیوں کے ظاہری مالکان نے زبان کھول دی ہے۔ اب کیا خیال ہے آپ کا؟"

"تمہیں یہاں کس نے بھیجا ہے؟" انعام ملک نے تحمل کا لبادہ اتار پھینکا۔ "تم عاصم

مرزا کے حامیوں میں سے ہو؟" اس کا لہجہ بے حد خراب تھا۔

"مجھے صرف خبر میں دلچسپی ہے۔ میں شہلا کے قاتل کی تلاش میں ہوں۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ عاصم مرزا کو کس کس نے قتل کے کیس میں پھنسایا......... اور کیوں؟ ان سوالات کی جستجو مجھے یہاں تک لے آئی ہے۔"

"عاصم مرزا قاتل ہے۔ اسے کسی نے نہیں پھنسایا۔ تم نے پولیس رپورٹ نہیں پڑھی؟"

"مجھے اس پر یقین نہیں۔ آپ کو ہے؟"

"کیوں نہیں۔ عاصم مرزا بھی ہم سب کی طرح انسان ہے، فرشتہ نہیں۔"

"لیکن اس نے شہلا کو قتل نہیں کیا۔"

"مجھے پولیس پر اعتماد ہے نوجوان۔ میں عاصم مرزا جیسے شرپسند کی حمایت کیوں کروں۔ اسے اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے۔ وہ دوسروں کے پھڈے میں ٹانگ کیوں اڑاتا ہے۔ بڑا آیا معاشرے کی اصلاح کرنے والا۔" انعام ملک کے لہجے میں بے پناہ نفرت تھی۔ "اس نے شہر کی تعمیر اور ترقی میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ یہ شہر ہم نے بنایا ہے۔ ہمارا ہے یہ شہر۔ میں نے، گھنشام نے، میئر صابر نے۔ ہم نے محنت کی، اپنا سرمایہ لگایا۔ ہم اسے اصلاح کے نام پر تباہ ہوتے نہیں دیکھ سکتے۔ مجھے پولیس پر اعتماد ہے۔ عاصم مرزا قاتل ہے۔"

"اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ عاصم مرزا سے خوف زدہ ہیں۔"

"میں کسی سے خوف زدہ نہیں۔ میں اپنے گھر کو......... اپنے شہر کو بچانے کے لیے ہر جنگ لڑ سکتا ہوں۔ میں کرپشن سے انکار نہیں کرتا۔ مگر میں اسے ترقی کے لیے شارٹ کٹ قرار دے کر قبول کرتا ہوں لیکن میں نام نہاد مصلحین کو اصلاح کے نام پر اس شہر کو تباہ نہیں کرنے دوں گا۔ کرپٹ لوگوں کی کمزوریاں اپنی جگہ، مگر ان کی کارکردگی ان کے کرپشن سے عظیم تر ہے۔"

"مجھے آپ کے یقین پر حیرت ہے، جو حقائق سے بہت دور ہے۔ مکروہ حقیقت یہ ہے کہ گھنشام نے شہلا کے قتل کے لیے ایک قاتل امپورٹ کیا تھا۔"

"پولیس عاصم مرزا کو قاتل قرار دے چکی ہے۔ ان کا کیس بہت مضبوط ہے۔"

"آپ اپنی جنگ عدالت میں کیوں نہیں لڑتے۔ عاصم مرزا کو الیکشن جیتنے دیجیے۔ پھر وہ لوگوں پر الزام عائد کرے گا اور عدالت میں انہیں درست ثابت کرے گا۔" عدنان کو



بڈھے ملک کا زرد چہرہ دیکھ کر ترس آنے لگا۔ "لیکن گھنشام کو یہ منظور نہیں، وہ عاصم مرزا کو قتل کے الزام میں پھنسا کر خود کو بچانا چاہتا ہے اور آپ اس کے ساتھ ہیں۔"

انعام ملک کا جسم لرزنے لگا۔ "نکل جاؤ......... میں کہتا ہوں، نکل جاؤ یہاں سے۔" اس نے دھاڑ کر کہا۔ "میں اپنی بیٹی کے پاس جا رہا ہوں سکندر آباد اور کئی ماہ شہر سے دور رہوں گا۔ یہاں کس کے ساتھ کیا ہوتا ہے، مجھے کوئی پروا نہیں۔"

"مجھے آپ جیسے لوگوں پر ترس بھی آتا ہے اور حیرت بھی ہوتی ہے۔" عدنان نے کہا۔ "آپ نے یہ شہر تعمیر کیا لیکن آپ اس پر فخر نہیں کر سکتے۔ کیونکہ آپ نے غنڈوں کو اس کا انتظام چلانے کی اجازت دے دی۔ اس شہر کی فضا غلیظ ہے۔ اسکولوں میں نہ تعلیم دی جاتی ہے نہ تربیت۔ یہ تعمیر ہے یا تخریب۔ آپ باہر سے کسی کو لا کر یہ شہر دکھا سکتے ہیں......... فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ اسے ہم نے تعمیر کیا ہے؟"

"میں کہتا ہوں، نکل جاؤ یہاں سے۔"

"آپ کا صحیح مقام جیل نہیں، جہنم ہے مسٹر ملک! شب بخیر۔"

عدنان نے کہا اور واپسی کے لیے پلٹ گیا لیکن وہ انعام ملک کی آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں دیکھ چکا تھا۔

☆=====☆=====☆

سوا گیارہ بجے کے قریب عدنان رین بو کلب پہنچا۔ رین بو کلب بھی گھنشام کی ملکیت تھا۔ شبانہ اپنے ڈریسنگ روم میں اس کی منتظر تھی۔ وہ بے حد نروس دکھائی دے رہی تھی۔ نہ جانے کیوں، عدنان کو احساس ہونے لگا کہ شبانہ کا مقام یہ کلب نہیں۔ وہ بھڑکیلے لباس کے باوجود شمع محفل نہیں، چراغ خانہ لگ رہی تھی۔

"کیسے یاد کیا مجھے؟" عدنان نے پوچھا۔ حالانکہ جواب ایک موہوم سے خیال کی شکل میں اس کے لاشعور میں چبھ رہا تھا......... لفظوں سے محروم خیال!

شبانہ کی نظر بلاارادہ دروازے کی طرف اٹھ گئی۔ "اگر میں تمہیں کوئی کام کی بات بتاؤں تو مجھے کیا ملے گا؟" اس نے پوچھا۔

"وہی فضول سی بے وقعت چیزیں ملیں گی۔ سکون ہلکا پھلکا ضمیر اور عزت نفس کی بحالی۔" عدنان نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

"بس......... اور کچھ نہیں؟"

"اگر تمہارا اشارہ رقم کی طرف ہے تو اس سلسلے میں بات ہو سکتی ہے۔" عدنان نے

کہا۔

شبانہ کی نظر پھر دروازے کی طرف اٹھی۔ "کتنی رقم مل سکتی ہے مجھے؟"

"دیکھو شبانہ......... میرا اخبار کوئی معمولی اخبار نہیں لیکن پہلے مجھے کچھ اندازہ تو ہو کہ تم کیا بیچنا چاہتی ہو، تبھی میں قیمت کا تعین کر سکوں گا۔"

اچانک شبانہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے سرگوشی میں کہا۔ "چلے جاؤ یہاں سے......... فوراً چلے جاؤ۔ دیر نہ کرو۔"

عدنان بھی اٹھ کھڑا ہوا مگر دیر ہو چکی تھی۔ ڈریسنگ روم کا دروازہ دھیرے دھیرے کھل رہا تھا۔ پھر جابر ڈریسنگ روم میں داخل ہوا۔ اس کے پیچھے گھنشام کا باڈی گارڈ مستان تھا۔ جابر کی آنکھیں غصے اور نفرت سے جلتی محسوس ہو رہی تھیں۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ شبانہ سے دور رہو۔" جابر نے پھنکار کر کہا۔

"لیکن میں نے شبانہ کو پریشان نہیں کیا۔ اسے مجھ سے کوئی شکایت نہیں۔"

"یہ اپنی نرم دلی کی وجہ سے کچھ نہیں کہہ رہی ہے۔ ورنہ تم نے ابھی اس کے ساتھ دست درازی کی تھی اور گھنشام کے کلب میں یہ ناقابل معافی جرم ہے۔"

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا؟"

"چلو......... ہم تمہیں باہر پہنچا دیں۔" مستان نے عدنان کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

عدنان نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی مگر گرفت بہت مضبوط تھی۔ پھر جابر نے عدنان کی ٹانگیں پکڑ لیں وہ دونوں ڈنڈا ڈولی کر کے اسے ڈریسنگ روم سے نکال لائے۔ "عقبی دروازے کی طرف۔" جابر نے مستان کو ہدایت دی۔

گندی گلی میں سناٹے اور تاریکی کا راج تھا۔ تاریکی میں ایک سایہ نکل کر ان کی طرف بڑھا۔ وہ کلب کے ملازمین میں سے تھا اور جانتا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

مستان نے عدنان کو دیوار سے لگا کر کھڑا کر دیا۔ ملازم اور جابر نے اس کے دونوں ہاتھ جکڑ لیے۔ مستان نے جیب سے ایک بوتل نکالی، کارک کھولا اور شراب عدنان کے چہرے اور کپڑوں پر انڈیل دی پھر اس نے خالی بوتل پیندے کی طرف سے پوری قوت سے عدنان کے پیٹ پر ماری۔ اس کے ساتھ ہی وہ تینوں عدنان پر پل پڑے۔ وہ بند چوٹیں لگا رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں عدنان کے ہوش و حواس جواب دے گئے۔ "اب اسے اس کے فلیٹ چھوڑ آؤ۔" جابر نے کلب کے ملازم سے کہا۔

☆=====☆=====☆



عدنان کو ہوش آیا تو وہ اپنے فلیٹ میں صوفے پر پڑا تھا۔ اس کے جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ پیاس الگ لگ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ ہمت کر کے پانی پینے کے لیے اٹھا تو اس کی چیخ نکل گئی۔ پانی پی کر اس نے آئینے میں اپنے چہرے کا جائزہ لیا۔ ہونٹوں پر خون کی پپڑیاں جمی ہوئی تھیں لیکن چہرے سے اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ اس پر تشدد کیا گیا ہے۔ البتہ اس کے جسم کی حالت تباہ تھی۔

اس نے سوچنے کی کوشش کی لیکن تشدد نے اسے منطقی اور مربوط انداز میں سوچنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ اس نے سوچا، بابر کو فون کرے لیکن فون اسے میلوں دور رکھا محسوس ہو رہا تھا۔ پھر لیٹے لیٹے اس پر غنودگی طاری ہو گئی۔ آنکھ کھلی تو اس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ صبح کے تین بجے تھے۔ پھر اسے احساس ہوا کہ دروازے پر دستک کی وجہ سے اس کی آنکھ کھلی ہے۔ دستک دوبارہ......... اور پھر سہ بارہ ہوئی۔ گھر میں کوئی ہتھیار بھی نہیں تھا اور وہ خود اپنی ٹانگوں پر ٹھیک طرح سے کھڑا بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ ایسے میں گھنشام کے غنڈوں کا سامنا کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی لیکن ان کے یہاں آنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ ختم تو وہ اسے گندی گلی میں بھی کر سکتے تھے۔ وہ اٹھا اور لڑکھڑاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ "کون ہے؟" اس نے دروازے سے ٹک کر پوچھا۔

"میں ہوں شبانہ۔" دروازے کے پیچھے سے آواز آئی۔

"کیا بات ہے؟"

"دروازہ کھولو۔ میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔" شبانہ کے لہجے میں التجا تھی۔

"میں یہ مکالمہ ایک بار پہلے بھی سن کر بھگت چکا ہوں۔ شکریہ۔" عدنان نے خشک لہجے میں کہا۔

"پلیز......... میری بات سن لو۔"

عدنان نے چند لمحوں کی ہچکچاہٹ کے بعد پوچھا۔ "تم اکیلی ہو؟"

"خدا کی قسم......... میرے ساتھ کوئی بھی نہیں ہے۔"

عدنان نے برگلر چین اٹکا کر دروازہ چند انچ کھولا۔ شبانہ واقعی تنہا تھی۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں خوف تھا۔ "کیا چاہتی ہو تم؟" عدنان نے پوچھا۔

"تمہیں میری وجہ سے بہت تکلیف پہنچی ہے۔ میں تلافی کرنا چاہتی ہوں۔ تمہیں میری مدد کی ضرورت ہو گی۔"

"تم پہلے ہی میری کافی مدد کر چکی ہو۔ مجھے مزید مدد کی ضرورت نہیں۔"

"پلیز......... مجھے اندر آنے دو۔ میں ہر بات واضح کر دوں گی۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

اس بار عدنان دلچسپی لیے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے برگلر چین ہٹائی اور دروازہ کھول دیا۔ شبانہ کے اندر آنے کے بعد اس نے دروازہ مقفل کیا اور لنگڑاتا ہوا صوفے کی طرف بڑھا۔

"تم بہت زخمی ہو۔ میں کیا کروں تمہارے لیے؟" شبانہ نے بے بسی سے کہا۔

"میں نے کہا نا، تم پہلے ہی میری کافی مدد کر چکی ہو۔ مزید مدد کرو گی تو مجھے اپنے جسم کے لیے پارٹس کے نئے سیٹ کی ضرورت پڑ جائے گی۔"

"میں شرمندہ ہوں۔ انہوں نے مجھے مجبور کیا تھا کہ فون کر کے تمہیں بلاؤں۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔ تم زخمی ہو۔ لاؤ......... میں گرم پانی کر کے ٹکور کر دوں۔"

عدنان پر خواہ مخواہ شرمندگی طاری ہونے لگی۔ "کوئی ضرورت نہیں۔ میں ٹھاک ہوں۔"

"احمقانہ باتیں مت کرو۔" شبانہ نے کہا اور کچن کی طرف چلی گئی۔ کچھ دیر بعد وہ بالٹی میں گرم پانی اور روئی لے کر آئی۔ "قمیض اتار دو۔" اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

عدنان کو احساس ہو گیا کہ بحث کرنا بے سود ہو گا۔ اس نے قمیض اتار دی۔ شبانہ نے اس کی چوٹوں کی سکائی شروع کر دی۔ عدنان کو سکون کا احساس ہونے لگا۔

"جابر نے کہا تھا کہ وہ تم سے ملنا چاہتا ہے مگر تم اس سے ہرگز نہیں ملو گے، اس لیے وہ مجھ سے فون کرواتا رہا ہے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اس کی نیت خراب ہے تو میں ہرگز تمہیں فون نہ کرتی۔" عدنان نے ٹٹولنے والی نگاہوں سے اسے دیکھا مگر اس کے چہرے پر اسے سچ کے سوا کچھ نظر نہیں آیا۔

"میں تمہارے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔" شبانہ نے سکائی کرنے کے بعد کہا۔

ٹکور سے عدنان کو بہت آرام ملا تھا۔ شبانہ کے جاتے ہی وہ سو گیا۔ پھر شبانہ نے ہی اسے جگایا اور چائے کی پیالی تھما دی۔ "اب کیا حال ہے؟" اس نے پوچھا۔

"بہت بہتر محسوس کر رہا ہوں۔" عدنان نے گرم چائے کا گھونٹ لے کر کہا۔ پھر اس نے سگریٹ سلگایا۔

"اب میں چلتی ہوں۔ تمہیں اور کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟ چائے میں نے تھرماس میں بھر کر تمہارے سرہانے رکھ دی ہے۔" شبانہ نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ۔"



دونوں چند لمحے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے۔ شبانہ جانے کے بجائے کھڑی رہی۔ اس کا جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی۔ کاش، عدنان مجھے روک لے۔ پھر وہ بیڈ کی پٹی پر ٹک گئی۔ "تم مجھے روکتے کیوں نہیں؟" اس نے کہا اور اس کے رخسار تمتمانے لگے۔

"کیوں روکوں؟ تم تلافی اور ہمدردی کرنا چاہتی ہو مگر مجھے اس کی ضرورت نہیں۔"

"بات صرف تلافی اور ہمدردی کی نہیں، کچھ اور ہے لیکن تم خبروں کے پیچھے بھاگنے والے صحافی ہو، سمجھ ہی نہیں سکتے۔ تم مجھ سے جو کچھ معلوم کرنا چاہتے ہو، اس کے بعد میری زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ میں محض انسانی ہمدردی کے لیے خود کو خطرے میں نہیں ڈال سکتی تھی، صرف ایک جذبہ ایسا ہے جو انسان کو ہر چیز سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اس کے زیر اثر میں تمہیں سب کچھ بتا سکتی ہوں......... اور بتا دوں گی۔"

عدنان اس دبے دبے اظہار محبت پر ششدر رہ گیا۔

"اب میں کچھ کہوں گا تو تم سمجھو گی، میں معلومات اگلوانے کے لیے جھوٹ بول رہا ہوں۔" اس کے لہجے میں بے بسی تھی۔

"کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں اپنے ہی نہیں، تمہارے جذبے سے بھی واقف ہوں۔ مگر تم اپنی محبتوں کو مصروفیت اور تلخیوں کی آڑ میں چھپانے کے قائل ہو۔"

"میں اب تم سے کچھ نہیں پوچھوں گا........." عدنان نے کہا۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھالیا۔ "عدنان اسپیکنگ۔"

"عدنان......... میں امیر پور سے انسپکٹر منصور بول رہا ہوں۔ ناوقت زحمت دینے پر معذرت خواہ ہوں۔"

"اب معذرت کی کیا ضرورت ہے۔ یقیناً کوئی خاص بات ہو گی۔"

"وہ کانسٹیبل افسر خان تھا نا، جس نے یہاں شادمان ہوٹل میں خودکشی کی تھی، اس کی موت کے متعلق ایک اہم انکشاف ہے، میں فون پر کچھ نہیں بتا سکتا۔ تم فوراً یہاں چلے آؤ۔ زوردار خبر ملے گی تمہیں۔"

عدنان نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ ساڑھے چار بج رہے تھے۔ "ٹھیک ہے، اس وقت ٹریفک بھی نہیں ہو گا۔ میں زیادہ سے زیادہ ساڑھے چھ تک پہنچ جاؤں گا۔"

"خیر آباد پولیس اسے بہ دستور خودکشی ظاہر کرنا چاہتی ہے، اسی لیے میں نے تمہیں فون کیا ہے۔ مجھ پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔"

"کس سے بات ہوئی تمہاری؟"

"انسپکٹر شفاعت سے۔"

"بات سمجھ میں آتی ہے۔ خیر' باقی باتیں ملاقات پر۔ فون کرنے کا شکریہ۔" عدنان نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر اس نے شبانہ سے کہا۔ "مجھے امیر پور جانا ہے۔"

"پہلے میں تمہیں یہ بتادوں کہ اس رات شہلا کے فلیٹ میں کیا ہوا تھا۔"

"اب تم خوفزدہ نہیں ہو؟"

"خوف زدہ تو میں اب بھی ہوں۔"

"تو برائی کے خلاف جہاد میں شریک ہونا چاہتی ہو؟"

"نہیں' میں صرف تمہارا ساتھ دینا چاہتی ہوں۔ شاید لوگ محبت ہی کی وجہ سے جہاد میں شامل ہوتے ہیں۔" شبانہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

عدنان کچھ دیر اسے بہ غور دیکھتا رہا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس کی زندگی میں ایک انقلاب کا آغاز ہو چکا ہے۔ اسے اس لڑکی کو تحفظ بھی فراہم کرنا ہے۔ بطور فرض نہیں' اپنے لیے۔ "کسی کو معلوم ہے کہ تم اس وقت یہاں ہو؟" اس نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے' نہیں۔ مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"میری بات غور سے سنو۔ میں تمہیں سب کچھ بتانے کی اجازت ایک شرط پر دوں گا اور وہ یہ کہ میری واپسی تک تم میرے فلیٹ میں دروازہ مقفل کر کے بیٹھو گی اور میرے سوا کسی کو بھی فلیٹ میں داخل نہیں ہونے دو گی' خواہ وہ کوئی بھی ہو۔"

"ٹھیک ہے' میں وعدہ کرتی ہوں۔"

"بس تو شروع ہو جاؤ۔ وقت بہت کم ہے۔"

"اس رات گھنشام' شہلا سے ملنے آیا تھا۔" شبانہ نے بتایا۔ "وہ شہلا سے ایک کام لینا چاہتا تھا۔"

"کام کیا تھا؟" عدنان نے پوچھا۔

"عاصم مرزا کو پھانسنے کے سلسلے میں تعاون۔"

"تمہیں یقین ہے؟"

"میں نے اپنے کانوں سے سنا تھا۔ میں بیڈ روم میں تھی۔ اس وقت۔"

عدنان نے اس کے نرم و نازک ہاتھ تھام لیے۔ "اب ابتدا سے......... تفصیلاً بتاؤ سب کچھ۔" اس نے کہا۔



☆=======☆=======☆

عدنان سات بجے امیر پور پہنچا۔ خیر آباد سے چلنے سے پہلے اس نے شبانہ سے حاصل کردہ معلومات بابر تک پہنچا دی تھیں۔ انسپکٹر منصور سے ملنا اہم تھا۔ مگر اس سے پہلے وہ شہلا کے قتل کی درپردہ کہانی مکمل کر چکا تھا۔ اس میں پارکنگ اتھارٹی کی سنگین بدعنوانیوں سے لے کر عاصم مرزا کو پھانسنے کی مکروہ تفصیل تک شامل تھی۔ شبانہ کی شہادت نے کہانی پر مہر تکمیل ثبت کر دی تھی۔

انسپکٹر منصور اپنے دفتر میں موجود تھا۔ اس کے سامنے رکھی ایش ٹرے سگریٹ کے ٹوٹوں سے بھری ہوئی تھی۔ وہ بے حد تھکا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ مگر اس کی آنکھوں میں ایک کامیاب شکاری سی چمک موجود تھی۔

"تم نے بہت زیادہ انتظار کرایا۔ میں بہت تھک گیا ہوں۔" اس نے عدنان کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "خیر......... بیٹھو' میں ابھی تمہیں تفصیل سے سب کچھ بتاتا ہوں۔ پھر شاید تم مجھے کچھ بتا سکو۔ ٹھیک ہے؟"

عدنان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

منصور نے ایک تصویر عدنان کی طرف بڑھائی۔ "یہ ہے وہ بدمعاش' جس نے افسر خان کو شوٹ کیا تھا۔"

عدنان نے تصویر پر نظر ڈالی اور ایک نظر میں پہچان گیا۔ یہ اس شخص کی تصویر تھی جس کا حلیہ اسے افسر خان سے معلوم ہوا تھا۔ "میں اسے نہیں جانتا یہ تصویر تمہیں کہاں سے ملی؟"

"تمہارے تاثرات سے اندازہ ہو گیا ہے کہ تم اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور جانتے ہو۔" منصور نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ وہ شخص معلوم ہوتا ہے' جسے افسر خان نے قتل کی رات عاصم مرزا کے گھر سے نکلتے دیکھا تھا۔" عدنان نے کہا۔ پھر منصور کا منہ بنتا دیکھ کر جلدی سے بولا۔ "تفصیل بعد میں سن لینا' پہلے یہ بتاؤ' تصویر تمہیں کہاں سے ملی؟"

"عجیب کیس ہے عدنان۔ ہم نے تو افسر خان کی موت کو خودکشی قرار دے کر فائل سرد خانے میں پھینک دی تھی لیکن اس کی موت کے دو دن بعد مجھے ایک ایسے شخص نے فون کیا جو وقوع کی رات شادمان ہوٹل میں مقیم تھا۔ وہ افسر خان کے برابر والے کمرے میں تھا۔ اس نے فائر کی آواز سنی اور دروازہ کھول کر کوریڈور میں جھانکا۔ اس نے ایک

شخص کو افسر خان کے کمرے کا دروازہ بند کرتے دیکھا۔ وہ یہی شخص تھا جس کی تصویر تمہارے سامنے ہے۔"

"لیکن اسے فون کرنے کا خیال دو دن بعد کیوں آیا؟" عدنان نے اعتراض کیا۔

"وہ ایک خاتون کے ساتھ تھا اور یہ بات اپنی بیوی کے علم میں نہیں لانا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے چپ سادھ لی۔ مگر بعد میں اس کے ضمیر کی خلش نے اسے مجبور کر دیا۔ میں نے اس کے بیان کردہ حلیے کے متعلق ہوٹل میں تفتیش کی۔ اسے روم سروس ویٹر کے علاوہ کاؤنٹر کلرک نے بھی دیکھا تھا۔ پھر مجھے ایک دور کا خیال سوجھا۔ ہوٹل کے باہر فٹ پاتھ پر کچھ مصور بیٹھے ہیں جو راہ گیروں کی تصویریں بنا کر پیٹ پالتے ہیں۔ میں نے ان سب کو پکڑ کر بلوایا۔ ان میں سے ایک کے پاس یہ تصویر مل گئی۔ پھر ہم نے ریکارڈ چیک کیا۔ اس شخص کا نام قادر ہے۔ دو بار چھوٹے جرائم کے سلسلے میں سزا کاٹ چکا ہے۔ شبہ ہے کہ پیشہ ور قاتل ہے۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ افسر خان کو قتل کرنے کا معاوضہ اسے کس نے دیا؟"

"یہ سب کچھ میں تمہیں بتاتا ہوں۔ میرے پاس قادر کے نام کے سوا ہر تفصیل موجود ہے۔ قصہ یہ ہے کہ ........"

☆=====☆======☆

بیس منٹ بعد انسپکٹر منصور، عدنان کو رخصت کر رہا تھا۔ "تمہارا اخبار مارکیٹ میں آنے کے بعد قادر نہیں چھپ سکے گا۔ یہاں نہیں تو خیر آباد میں گرفتار ہو گا وہ۔" منصور نے کہا۔

عدنان نے ڈھائی بجے اپنے فلیٹ کے سامنے موٹر سائیکل روکی۔ اس نے اپنے فلیٹ کا دروازہ کھولا اور شبانہ کو پکارا لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ فلیٹ خالی پڑا تھا۔ کھڑکیوں پر پردے کھنچے ہوئے تھے۔ بستر پر شکنیں ہی شکنیں تھیں۔ فضا میں شبانہ کے پرفیوم کی مہک اب تک تھی۔

عدنان نے سگریٹ سلگایا اور صوفے پر بیٹھ کر سوچنے لگا۔ کوئی ایسی وجہ سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ شبانہ نے اپنی جان خطرے میں ڈالنا ضروری سمجھا ہو لیکن پھر اسے شبانہ کی گفتگو یاد آئی۔ اس نے پوچھا تھا۔ "مجھے کیا ملے گا؟" اور واقعی اسے کیا ملتا۔ سوائے خطرات کے۔ شاید یہی سوچ کر وہ فلیٹ اور اس کا ساتھ بہ یک وقت چھوڑ گئی ہو گی۔

وہ افسردہ ہو گیا۔ نہ جانے کیوں، محض چند گھنٹوں میں اس جیسے تلخ مزاج اور حقیقت



پسند انسان نے چند نازک نازک خواب بن ڈالے تھے۔ وہ بھول گیا تھا کہ آنکھوں میں کانچ کے خواب سجانے والے ہی تو آنکھوں سے محروم ہوتے ہیں۔

وہ سگریٹ بجھانے کے لیے ایش ٹرے کی طرف گیا تو اسے میز پر ایک رقعہ رکھا نظر آیا۔ اس نے تہہ دار کاغذ کھول کر پڑھا۔ وجود میں لحظہ بہ لحظہ اترتی مایوسی کی دھند اور گہری ہو گئی۔ شبانہ نے لکھا تھا۔ "میں نے جذباتیت کے زیر اثر عاجلانہ اور غلط فیصلہ کیا تھا۔ شکر ہے، مجھے جلد ہی ہوش آگیا اس طرح ساتھ چھوڑنے پر معذرت خواہ ہوں۔ شبانہ"

عدنان نے سر جھٹکا۔ شبانہ کے بغیر، اس کی شہادت کے بغیر حقیقت افسانہ تھی۔ صرف ایک کلیو کام کا تھا........ قادر........ شہلا کا حقیقی قاتل اور اس کے ذریعے عاصم مرزا کی بے گناہی میں اتنی دیر لگتی کہ وہ میئر منتخب نہ ہوتا۔

اس نے دفتر فون کیا مگر بابر موجود نہیں تھا۔ عدنان نے ایک بار پھر فلیٹ کا جائزہ لیا اور اسے کسی گڑبڑ کا احساس ہونے لگا۔ چائے کی پیالیاں بغیر دھلی سنک میں پڑی تھیں۔ بستر کی چادر شکن آلود تھی۔ شبانہ اس طرح تو نہیں جا سکتی تھی لیکن رقعہ.........! وہ زبردستی بھی لکھوایا جا سکتا تھا۔

اس نے شہلا کے اپارٹمنٹ میں فون کیا۔ مینجر نے فون اٹھایا۔ عدنان کے استفسار پر اس نے بتایا کہ شبانہ فلیٹ چھوڑ گئی ہے۔

"وہ گئی تو اکیلی تھی؟" عدنان نے پوچھا۔

"نہیں جناب۔ دو حضرات ان کے ساتھ تھے۔"

"ان میں جابر صاحب بھی ہوں گے؟"

اثبات میں جواب ملتے ہی عدنان نے ریسیور رکھ دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا شبانہ اپنی مرضی سے......... اس کا ساتھ چھوڑ گئی ہے اس نے بعد میں غور کیا ہو گا تو اس کی محبت کو خسارے کا سودا قرار دیا ہو گا لیکن نہ جانے کیوں ایک شک اس کے ذہن میں پنجے گاڑے ہوئے تھا کہ شبانہ کو زبردستی لے جایا گیا ہو گا۔ اس کے لیے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی لیکن وہ کوشش کے باوجود اس خیال کو مسترد نہیں کر پا رہا تھا۔

وہ فلیٹ سے نکلا اور اس نے اپنی موٹر سائیکل سنبھال لی لیکن اس کا ذہن شبانہ کے یوں جانے کے بارے میں سوچے جا رہا تھا۔ وہ دو طرح کے خوف میں مبتلا تھا۔ ایک خوف یہ تھا کہ وہ اس کا ساتھ چھوڑ گئی ہے۔ اس کی محبت سے منہ موڑ گئی ہے۔ دوسرا خوف یہ

تھا کہ گھنشام کے غنڈے اسے زبردستی لے گئے ہیں۔ پہلے خوف کی بنیاد خود غرضی تھی اور دوسرے خوف کے لیے پولیس سے مدد لینا لازم تھا لیکن کیا پولیس سے مدد لی جا سکتی ہے؟ پولیس تو بے گناہوں کو پھانسنے میں اپنی ساری توانائیاں استعمال کرتی ہے۔ عاصم مرزا کی مثال سامنے ہے۔

کچھ دیر سڑکوں پر یونہی بے مقصد پھرنے کے بعد وہ گھر لوٹ آیا۔ مگر اسے کسی صورت قرار نہیں تھا۔ وہ بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہلتا رہا۔ اس نے بابر کے گھر کا نمبر ملایا۔ مگر وہ گھر پر بھی موجود نہیں تھا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے ایس پی حامد کا نمبر ڈائل کیا۔

ریسیور حامد ہی نے اٹھایا۔ "عدنان! آج کا دن تو عجیب رہا۔ بھاگ دوڑ میں کٹ گیا۔ تمہیں تو پتا چل گیا ہو گا؟"

"مجھے کچھ معلوم نہیں۔ میں خود دن بھر مصروف رہا ہوں اور اس وقت اغوا کی ایک واردات کی رپورٹ کر رہا ہوں۔" عدنان نے کہا۔

"اغوا؟" کسے اغوا کر لیا گیا؟"

"شبانہ نامی ایک لڑکی کو۔ وہ گھنشام کے رین بو کلب میں گاتی ہے۔"

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر حامد نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "تم فوراً میرے پاس آجاؤ۔"

"کیوں؟ تمہیں اغوا سے کوئی دلچسپی نہیں؟ کیا گھنشام نے تمہاری دیانت داری کی گرمی نکال دی ہے؟" عدنان نے طنز کیا۔

"تم بات کس سے کر رہے ہو۔" حامد آپے سے باہر ہو گیا۔ "میں دن بھر پریشان رہا ہوں۔ ٹھوکروں میں رہا ہوں۔ معطل ہونے سے بال بال بچا ہوں۔ میں مزید توہین برداشت نہیں کروں گا۔ بہت ہو گئی۔ تم میری جگہ ہوتے تو پتا چلتا تمہیں۔ باہر بیٹھ کر بڑی بڑی باتیں کرنا بہت آسان ہے۔"

"عنقریب تم بھی باہر بیٹھے ہو گے۔ تمہاری بچت اسی میں ہے کہ شبانہ کو کسی طرح بازیاب کرا لو۔"

"کیوں؟ میری بچت کا اس لڑکی کی بازیابی سے کیا تعلق ہے؟"

عدنان کو اس کے لہجے مین اس کی دلچسپی کا اندازہ ہو گیا۔ پھر اچانک ہی اسے احساس ہوا کہ اس کیس میں اسے قدم قدم پر شکست ہوئی ہے۔ شہلا کے معاملے میں بھی۔ افسر



خان کے معاملے میں بھی اور شبانہ کے معاملے میں بھی۔ کوئی ہر بار اس سے ایک قدم آگے رہا ہے۔

"کیا نام بتایا تم نے لڑکی کا؟" دوسری طرف سے حامد نے پوچھا۔

عدنان نے کوئی جواب دیئے بغیر ریسیور رکھ دیا۔ اس کے ذہن کے تاریک گوشے روشن ہوتے جا رہے تھے۔ شبانہ کے سلسلے میں کوئی اس کی مدد نہیں کرے گا' اسے احساس ہو گیا تھا۔ شبانہ کرپشن کی اس دنیا کے لیے اتنی ہی خطرناک تھی' جتنا خطرناک عاصم مرزا تھا۔ وہ اسے راستے سے ہٹانا چاہتے ہوں تو اسے ٹھکانے لگانے میں دیر ہی کتنی لگتی۔ نازک سی لڑکی کی بساط ہی کیا تھی لیکن وہ جانتا تھا کہ اس کے پاس چھاپنے کو بہت کچھ ہے جس کے بعد گھنشام کے لیے سنگین نوعیت کی مشکلات کھڑی ہو سکتی ہیں۔

☆======☆======☆

عدنان' بابر کے گھر پہنچا تو شام کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ بابر کے ڈرائنگ روم میں معمول کے مطابق محفل جمی ہوئی تھی۔ "بابر صاحب کہاں ہیں؟" عدنان نے ملازمہ سے پوچھا۔

"فون پر کسی سے بات کر رہے ہیں۔" ملازمہ نے بتایا۔ "آپ بیٹھیے۔"

عدنان بیٹھ گیا۔ اس نے کمرے میں موجود لوگوں سے سلام دعا بھی نہیں کی۔ بابر آیا تو وہ اسے دوسرے کمرے میں لے گیا۔ "شبانہ غائب ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اس وقت وہ گھنشام کے قبضے میں ہو گی۔" عدنان نے اسے بتایا۔

"لڑکی غائب ہے!" بابر نے چونک کر کہا۔ "کب سے؟"

"میرا اندازہ ہے کہ وہ صبح دس بجے سے غائب ہے۔"

"کیا وہ بہت اہم تھی تمہاری کہانی کے لیے؟"

"بہت زیادہ لیکن میں اس کے بغیر بھی کام چلا سکتا ہوں۔" عدنان نے کہا۔

"ضروری تو نہیں کہ گھنشام نے اسے اغوا کرایا ہو۔ تم نے بتایا تھا کہ وہ گھنشام کے کلب میں ملازم ہے۔ ممکن ہے' وہ اب بھی گھنشام کے ساتھ ہو۔"

"ایسا نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اب گھنشام سے نہیں مل سکتی۔"

"ممکن ہے' اس نے تمہارا ساتھ چھوڑ دیا ہو۔ رقعہ لکھا اور اپنی مرضی سے چل دی۔ آج کل ہر شخص پر ایک حد تک ہی اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ گھنشام نے اسے اٹھوا لیا ہے۔"

عدنان چونکا۔ "تمہیں کیسے پتا چلا کہ اس نے کوئی رقعہ چھوڑا تھا؟"

"یہ اندازہ لگانا کیا مشکل ہے۔ ایسے موقعوں پر رقعے ہی لکھ کر چھوڑے جاتے ہیں۔" بابر نے بے پروائی سے کہا۔ "سنو، تم یہیں میرا انتظار کرو۔ مجھے ایک فون اور کرنا ہے۔ میں ابھی آیا۔ پھر ہم مل کر کام کریں گے اس خبر پر۔" یہ کہہ کر وہ دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ چند لمحے بعد بیڈ روم میں موجود ایکسٹینشن پر نمبر ڈائل ہونے کی آواز سنائی دی۔ نہ جانے کیوں، عدنان کی دھڑکنوں کی رفتار بڑھ گئی۔ اس نے آگے بڑھ کر ایکسٹینشن انسٹرومنٹ کا ریسیور اٹھالیا۔ اس کا دل اور تیز دھڑکنے لگا۔ اسے ایسا لگا، جیسے ریسیور اٹھا کر وہ اپنے اندر کسی اچھی چیز کو قتل کر رہا ہے۔

اس نے ریسیور اٹھا کر کانوں سے لگالیا۔

"......... گھنشام، میں تمہیں بتا رہا ہوں، اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ عقل کی بات کرو۔" بابر کہہ رہا تھا۔

پھر گھنشام کی آواز سنائی دی۔ وہ بہت غصے میں معلوم ہوتا تھا۔ "مجھے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔ بس یہ سب کچھ تمہارے اخبار میں نہیں چھپنا چاہیے۔"

"میں نے بتایا کہ عدنان کے پاس مکمل معلومات موجود ہیں۔"

"کچھ بھی ہو، تمہارے اخبار میں یہ سب کچھ نہیں چھپنا چاہیے، عدنان کو روکو۔ یہ تمہاری ذمے داری ہے۔ اس کے علاوہ تم کسی بات کی فکر نہ کرو۔"

"ایک منٹ......... میری بات تو سنو۔" بابر کی آواز میں التجا تھی۔ مگر دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہو چکا تھا۔ عدنان کچھ دیر بابر کی اکھڑی ہوئی سانسوں کی آواز سنتا رہا۔ پھر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ وہ انسٹرومنٹ کے پاس سے ہٹا اور کمرے کے وسط میں آگیا۔ اس نے پیکٹ سے سگریٹ نکال کر سلگالیا۔ سوچنے کی کوشش بے سود تھی۔ صدمے سے اس کا ذہن شل ہو کر رہ گیا تھا۔

کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور بابر کمرے میں آیا۔ "چلو......... اب مجھے تفصیل سے بتاؤ۔ شروع سے آخر تک۔ پھر سوچیں گے کہ خبر کس انداز میں شائع کی جائے۔"

عدنان نے بڑی مشکل سے اپنے جذبات کو قابو میں رکھا۔ "یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شہلا کو گھنشام نے کرائے کے قاتل کے ذریعے قتل کرایا تھا تاکہ عاصم مرزا کو پھنسایا جا سکے۔ اس کے علاوہ میسرٔ صابر، گھنشام اور انعام ملک سنگین مالی بدعنوانیوں میں ملوث ہیں۔ معاملہ پارکنگ اتھارٹی سے متعلق ہے، تمہیں حیرت ہوئی یہ سن کر؟"



"انعام ملک کا نام سن کر تو واقعی حیرت ہوئی ہے۔"

"افسر خان نے قادر کو شہلا کے قتل کے بعد عاصم مرزا کے گھر سے نکلتے دیکھ لیا تھا۔ اس پر دباؤ ڈال کر بیان بدلوایا گیا۔ اس کے باوجود اسے خطرناک جان کر قتل کروایا گیا۔ اسے بھی قادر ہی نے قتل کیا تھا۔ پھر افسر خان کی بیوہ پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ یہ سب کچھ مربوط ہے آپس میں۔"

"تم یہ ثابت بھی کر سکتے ہو؟ کیونکہ ہمارے خلاف کیس بھی ہو سکتا ہے، یہ سب شائع کرنے کی صورت میں۔"

عدنان کے لیے خود پر قابو رکھنا دشوار ہو گیا تھا۔ اس کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ متضاد جذبات نے اس کے اعصاب کو توڑ پھوڑ ڈالا تھا۔ اسے شرم بھی آرہی تھی، غصہ بھی، ترس بھی اور نفرت بھی۔

"عدنان.........! میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے۔" بابر کے لہجے میں الجھن تھی۔ "جو کچھ ہم شائع کر رہے ہیں، اسے گواہوں اور شہادتوں کی مدد سے ثابت بھی کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یا یہ محض اندازے ہیں، جو کتنے ہی درست ہوں، اندازے ہی رہتے ہیں تم نے جو کچھ مجھے بتایا ہے، اس میں سے قابلِ اشاعت کتنا ہے؟"

عدنان نے پلٹ کر پہلی بار بابر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ دونوں خاموش رہے لیکن عدنان کی آنکھوں کے تاثر کے ردعمل کے طور پر بابر کے چہرے پر بدمزگی کا تاثر ابھرا۔ خاموشی پھیلتی گئی۔ پھر بابر نے فکر مندی سے کہا۔ "کیا بات ہے عدنان؟ بولتے کیوں نہیں؟ بتاؤ ہم کیا چھاپ سکتے ہیں؟"

"یہ بات تم گھنشام سے کیوں نہیں پوچھتے۔" عدنان نے نرم لہجے میں کہا۔ "موسم کی خبروں سے اشتہارات تک اس سے ہی اجازت لینی چاہیے تمہیں۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو؟" بابر نے الجھن بھرے لہجے میں کہا۔ مگر عدنان جانتا تھا کہ یہ اداکاری ہے۔ بابر کا چہرہ سپید پڑ گیا تھا۔

"جھوٹ مت بولو۔" عدنان کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ "تمہیں کیسے پتا چلا کہ شبانہ رقعہ چھوڑ کر گئی ہے؟"

"اس کی وجہ میں تمہیں بتا چکا........."

عدنان نے انسٹرومنٹ کی طرف اشارہ کیا۔ بابر نے چپ سادھ لی۔ اب وہ ملتجی نگاہوں سے عدنان کو دیکھ رہا تھا۔

"میں نے گھنشام سے تمہاری گفتگو سن لی ہے۔" عدنان نے کہا۔

"میری بات سنو........ سمجھنے کی کوشش کرو........"

"یہ سمجھنے کی کوشش کروں گا کہ تم گھنشام کے حلیف ہو۔ یہ تو میں اب جان چکا ہوں۔"

"یقین کرو عدنان، میں تمہیں بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔" بابر کے لہجے میں بے بسی تھی۔ "افسر خان سے قاتل کا حلیہ سننے کے بعد سے ہر لمحے تمہیں موت کا خطرہ لاحق رہا ہے۔ میں تمہیں نہیں کھونا چاہتا تھا۔"

"میں نے تمہیں مکمل کہانی فراہم کی تھی۔ تم اس کی مدد سے اس کے چیتھڑے اڑا سکتے تھے لیکن نہیں، تم نے میری خبر کو کِل کر دیا۔ تم مختلف بہانوں سے حقیقت چھاپنے سے گریز کرتے رہے۔" عدنان نے نفرت آمیز لہجے میں کہا۔ "میں نے پولیس کیس کی پہلی ہی رات دھجیاں اڑا دی تھیں مگر تم نے عاصم مرزا کی بچت کے واحد امکان کا ابتدا ہی میں گلا گھونٹ دیا۔ پھر میں نے افسر خان کو تلاش کر کے اس سے حقیقت اگلوائی۔ اسے بیان دینے پر آمادہ کیا اور اس کے متعلق بھی تمہیں بتا دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ باقاعدہ گواہی دینے سے پہلے ہی قتل کر دیا گیا۔ پھر افسر خان کی بیوہ نے آکر بتایا کہ پولیس اس سے اس کے شوہر کے متعلق کیا کہلوانا چاہتی ہے۔ تم نے وہ خبر بھی دبا دی۔ اس تمام عرصے میں تم جھوٹ بولتے رہے اور میں خوب صورت لفظوں میں لپٹے ہوئے جھوٹ کے حسین فریب میں آگیا۔ صرف اس لیے کہ مجھے تم پر اعتماد تھا۔ تم نے مجھے صحافت سکھائی۔ بارہ سال سے تم میرا آئیڈیل تھے۔ میں تمہارے ہر انداز کی نقل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔" عدنان کی آواز لرزنے لگی۔ "لیکن تمہارے نزدیک میں محض ایک بے وقوف اور جذباتی کالم نویس تھا........"

"نہیں عدنان........ ایسا نہیں ہے۔ میری بات تو سنو........"

"پھر شبانہ نے زبان کھولی اور ہر راز طشت ازبام ہو گیا۔" عدنان نے تلخ لہجے میں بات جاری رکھی۔ "لیکن تم نے پھر گھنشام کو مطلع کر دیا اور اب شبانہ نہ جانے کہاں ہے۔" عدنان نے بابر کا گریبان پکڑ لیا۔ "بتاؤ شبانہ کہاں ہے؟ انہوں نے کیا سلوک کیا ہے شبانہ کے ساتھ؟" اس نے بابر کو جھنجوڑ ڈالا۔

"مجھے نہیں معلوم۔"

عدنان نے اس کا گریبان چھوڑ دیا۔



اس کا چہرہ پھیکا پڑ گیا تھا۔ اسے سانس لینے میں بھی دشواری ہو رہی تھی۔ "مجھے پیسے کی ضرورت نے مار دیا۔ بیوی، اولاد، دوست........ ہر شخص گدھ کی طرح میرے گرد منڈلاتا ہے۔ ایسے میں، میں کیا کر سکتا تھا۔ میری آمدنی کا بیشتر حصہ نان نفقے میں چلا جاتا۔ جو بچتا وہ بیٹے کے لیے بھی کم پڑتا اور اس کے بعد مجھ کیا ملتا؟ تنہائی۔ اسے دور کرنے کے لیے میں محفلیں نہ سجاتا تو اور کیا کرتا۔ میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا عدنان۔ گھنشام میری مدد کرتا رہا اور میں اس کے چھوٹے چھوٹے کام کرتا رہا۔ پھر اچانک مجھے احساس ہوا کہ میں اس کا اتنا مقروض ہو چکا ہوں کہ ساری زندگی قرض نہیں اتار سکتا۔ اس کو دلدل میں پھنسنا کہتے ہیں دوست۔ یہ فلیٹ بھی میرا نہیں، گھنشام کا ہے۔ ایک تمھی کو یہ سب معلوم نہیں، ورنہ آدھا شہر جانتا ہے کہ میں کیا کر رہا ہوں۔" بابر نے توقف کیا، ملتجی نگاہوں سے عدنان کو دیکھا اور چند لمحے بعد بولا۔ "پھر یہ عاصم مرزا کا کیس سامنے آیا اور اتفاق سے تمہیں ایک اہم سراغ مل گیا۔ گھنشام نے مطالبہ کیا کہ میں یہ نہ چھاپوں۔ میں کیا کرتا؟ اگر میری ملازمت داؤ پر لگی ہوتی تو میں پروا نہ کرتا۔ میں اسے کہتا، جہنم میں جاؤ لیکن اس صورت میں وہ یقینی طور پر تمہیں ختم کرا دیتا۔ یہ مجھے گوارا نہیں تھا۔ میں نے گھنشام کو قائل کر لیا کہ ایک اور قتل کے بجائے خبر کا گلا گھونٹنا بہتر ہے اور یہی ہوا۔ تمہاری تفتیش کی کہانی اب تک نہیں چھپی لیکن یہ کم نہیں کہ تم زندہ ہو۔ شاید تم یقین نہ کرو لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں نے تمہاری زندگی بچائی ہے۔" بابر نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"شبانہ اس وقت کہاں ہے؟" عدنان نے پوچھا۔

"خدا کی قسم، مجھے علم نہیں۔" بابر نے زبان پھیر کر اپنے ہونٹوں کو تر کیا، پھر پوچھا۔ "کیا وہ تمہارے لیے بہت اہم ہے؟"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" عدنان نے منہ پھیر کر کہا۔ "اس نازک لڑکی کا تصور کرو جو سچ بولنے کی پاداش میں غنڈوں کے رحم و کرم پر ہے۔ کیا وہ تمہارے لیے اہم نہیں۔ آخر تمہارا فلسفہ کیا ہے۔ وہ جیتی جاگتی لڑکی چارہ تھی جسے تم نے بھیڑیوں کے آگے پھینک کر مجھے بچا لیا؟ افسر خان اور شہلا........ کیا وہ انسان نہیں تھے، جانور تھے کہ اخباروں کا پیٹ بھرنے کے لیے کاٹ ڈالے گئے؟ کیا صرف اہم لوگوں کی وقعت ہے تمہاری نظر میں۔"

"شبانہ کی فکر نہ کرو۔ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"کیوں.......... افسر خان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا؟"

"اس نے خود کشی کی تھی۔"

"نہیں۔ اسے اسی غنڈے نے قتل کیا' جس نے شہلا کو قتل کیا تھا اور اس کی موت کے ذمے دار تم ہو۔ تم نے گھنشام کو بتایا تھا کہ افسر خان زبان کھولنے والا ہے۔ گھنشام نے تمہیں نہیں بتایا۔ اپنے پارٹنر کو نہیں بتایا کہ وہ افسر خان کو بھی قتل کروا رہا ہے؟"

بابر اب یوں دائیں بائیں جھول رہا تھا جیسے نشے میں ہو۔ "نہیں.......... یہ سچ نہیں ہے۔" اس نے مری مری آواز میں کہا۔

"تم افسر خان کے قاتل ہو اور اب تم شبانہ کی موت کا بوجھ بھی اپنے ضمیر پر لینا چاہتے ہو۔ بتاؤ' شبانہ کہاں ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم.......... مجھے علم نہیں۔"

عدنان دروازے کی طرف بڑھا۔ اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ بس وہ یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ اپنے آئیڈیل کے احساس جرم سے لتھڑے ہوئے مکروہ چہرے سے دور.......... بہت دور۔

"عدنان..........! سنو.......... ٹھہر جاؤ۔" بابر نے اسے پکارا۔

عدنان نے پلٹ کر دیکھا۔ بابر کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے لیکن اب اسے کوئی چیز متاثر نہیں کر سکتی تھی۔ جذبۂ ترحم اور اداسی مٹ چکی تھی۔ اب اس کے پاس غصے اور نفرت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ بابر نے اس کا ہاتھ تھاما تو اس نے ہاتھ جھٹک دیا۔

"مت چھوؤ مجھے۔" وہ پھنکارا۔

"پلیز' میری بات سنو۔ میں سچ کہہ رہا ہوں' تم میرے لیے اہمیت رکھتے تھے۔ میں تمہاری عزت کرتا ہوں۔ تمہیں خود سے قریب رکھنا چاہتا تھا۔ میں جھوٹا آدمی ہوں لیکن یہ جھوٹ نہیں ہے۔ میں تمہیں نہیں کھونا چاہتا۔"

"مجھے تو اب تمہاری دی ہوئی عزت بھی اچھی نہیں لگ سکتی۔" عدنان نے نفرت آمیز لہجے میں کہا۔

"عدنان.......... پلیز' مجھے اس طرح چھوڑ کر نہ جاؤ۔"

عدنان نے سر جھکا اور دروازہ بند کرتے ہوئے کمرے سے.......... اور پھر فلیٹ سے نکل آیا۔

☆======☆======☆



عدنان کے ذہن پر تمام راستے خیالات کی یلغار رہی۔ وہ ایک ریسٹورنٹ میں چائے پینے کے لیے رکا۔ چائے کی پیالی کو سامنے رکھے وہ بیٹھا سوچتا رہا۔ تو بابر کو ضرورتوں نے اس حال کو پہنچایا تھا لیکن اس طرح بھی کہیں ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔ انسان کتنا بے بس ہے.......... کتنے خسارے میں ہے۔ دنیوی زندگی کے پچاس' ساٹھ' ستر سال سنوارنے کے لیے ابدی عذاب خریدتا ہے اور پھر بھی سنوار نہیں پاتا۔ اس کے تصور میں کرنسی نوٹوں کی ایک گڈی لہرا گئی۔ نوٹ خون آلود تھے۔ وہ خون انسانوں کا تھا.......... انسانیت کا تھا.......... دیانت کا تھا۔ دنیا کے ہر اچھے اور خوب صورت جذبے کا تھا۔ اس کا جی چاہا کہ دیوانہ وار قہقہے لگائے۔ بابر کو بتائے کہ اس خون آلود دولت سے تم سکون اور خوشی نہیں خرید سکتے۔ درد تنہائی کی دوا نہیں خرید سکتے۔ اس سے تو تم بدترین تنہائی خریدتے رہے ہو.......... محفلوں میں شور مچاتی' چیختی چنگھاڑتی تنہائی۔

پھر اس کے خیالات کی رو عاصم مرزا کے کیس کی طرف مڑ گئی۔ اب اسے حقائق چھپوانے کے لیے کسی اخبار کی ضرورت نہیں تھی۔ قادر کسی بھی وقت گرفتار ہو سکتا تھا اور اس کے بعد افسر خان اور شہلا کے قتل کے جرم میں سزائے موت اس کا مقدر ہوتی۔ عدنان جانتا تھا کہ قادر تنہا پھانسی کے تختے پر چڑھنا پسند نہیں کرے گا۔ وہ گھنشام کو بے نقاب کرے گا اور گھنشام اپنے ساتھ میئر صابر اور انعام ملک کو لے کر ڈوبے گا۔ جرم کی عمارت بغیر سیمنٹ کی ہوتی ہے۔ ایک اینٹ نکل جائے تو ایک دوسرے کے سہارے سے ٹکی ہوئی تمام اینٹیں نکلتی چلی جاتی ہیں اور عمارت لمحوں میں ڈھے جاتی ہے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اخبار پر انحصار کرنے کے بجائے وہ تمام حقائق رضا تک پہنچائے گا اور وہ اسے مختلف ذرائع سے پورے ملک کے لوگوں تک پہنچا دیں گے۔ ان کے پاس وسائل بھی ہیں۔

مسئلہ صرف شبانہ کا رہ جاتا تھا۔ وہ گھنشام کے قبضے میں تھی۔ گویا اسے گھنشام کو ایک فیصلہ کن شکست دے کر شبانہ کو بچانا تھا۔ اسے ایک داؤ کھیلنا تھا۔ اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال آیا اور پھر اس کی جزئیات ابھریں۔ وہ بل ادا کر کے ریسٹورنٹ سے نکل آیا۔

☆======☆======☆

جابر رین بو ہوٹل کے ایک کمرے میں رہتا تھا۔ جابر' عدنان کو دیکھ کر ایک لمحے کو حیران نظر آیا۔ پھر اس کے چہرے پر نفرت کا تاثر ابھرا اور اس نے ریوالور نکال لیا۔

"غلط انداز میں مت سوچو جابر۔ اس وقت میں تم پر احسان کرنے آیا ہوں۔" عدنان نے نرم لہجے میں کہا۔ "میں تمہیں شہلا کے قاتل کا نام بتانا چاہتا ہوں۔"

"جو کہنا ہے' جلدی سے کہہ ڈالو۔ کیونکہ آج میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں۔"

"جابر' یقین کرو' اس وقت میں ایک دوست کی حیثیت سے آیا ہوں۔"

جابر نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ "کیا کھیل کھیل رہے ہو تم؟"

عدنان مسکرایا۔ "میں تمہیں یہ بتانے کے لیے آیا ہوں کہ تمہاری محبوبہ کو گھنشام کے حکم پر قتل کیا گیا تھا۔ قاتل کا نام قادر ہے۔ سمجھے کچھ!"

"بکواس.......... مجھے باس سے لڑانا چاہتے ہو۔"

"میں نے جو کچھ کہا' لفظ بہ لفظ درست ہے اور میرا خیال ہے' تم قادر کو جانتے بھی ہو۔" یہ کہہ کر عدنان نے قادر کا حلیہ بیان کر دیا۔

"میں تمہیں شوٹ کر دوں گا۔" جابر غرایا لیکن اس کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں اور جسم بری طرح لرز رہا تھا۔

"میں بغیر ثبوت کے نہیں آیا ہوں۔"

"تم چاہتے کیا ہو؟"

"صرف اور صرف انصاف۔" عدنان نے خشک لہجے میں کہا۔

"تمہارے پاس ثبوت کیا ہے؟"

"یہ عجیب کہانی ہے۔ شہلا چند بے ضرر سے راز عاصم مرزا تک پہنچانے پر مامور تھی۔ یہ کام خود گھنشام نے اسے سونپا تھا۔ شہلا کے نزدیک یہ مشکل کام نہیں تھا۔ عاصم مرزا تک رسائی بھی دشوار نہیں تھی لیکن شہلا یہ نہ سمجھ سکی کہ اسے کس انداز میں استعمال کیا جائے گا۔ گھنشام نے منصوبے کے مطابق اسے شطرنج کی بساط پر ایک غیر اہم پیادے کی طرح کٹوا کر الزام عاصم مرزا کے سر ڈال دیا۔ سمجھ رہے ہو؟ قادر نے پہلے عقب سے عاصم مرزا کے سر پر وار کیا۔ پھر شہلا کا گلا گھونٹا اور اطمینان سے نکل گیا۔"

"تم نے ثبوت کی بات کی تھی۔ ثبوت کہاں ہے؟" جابر نے لرزیدہ آواز میں پوچھا۔

"قادر کو کانسٹیبل افسر خان نے قتل کے بعد عاصم مرزا کے گھر سے نکلتے دیکھا تھا۔ پھر شبانہ گواہ ہے کہ گھنشام شہلا کے فلیٹ میں آیا اور اس سے اس کام کے سلسلے میں بات کی۔ اس نے شہلا سے کہا کہ وہ رات میں عاصم مرزا کے گھر جائے اور موقع پا کر شور مچا



دے کہ عاصم مرزا نے دست درازی کی ہے۔ اس نے شہلا سے کہا کہ اس کی چیخیں سن کر اس کا ایک آدمی گھر میں گھس آئے گا' جو پہلے ہی سے گھر کے باہر موجود ہو گا لیکن شہلا کو علم نہیں تھا کہ گھنشام کا اصل منصوبہ اس کی موت ہے۔ وہ عاصم مرزا کو کسی چھوٹے کیس میں نہیں' قتل جیسے سنگین جرم میں پھانسنا چاہتا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اسے قتل ہونا ہے۔"

"انہوں نے کیوں قتل کیا اسے؟ اس نے تو کبھی کسی کو تکلیف نہیں پہنچائی۔" جابر کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ "وہ پانچ سال میرے ساتھ رہی اور اس عرصے میں اس نے کبھی کسی اور کو نظر بھر کے نہیں دیکھا۔ آئندہ سال ہمارا شادی کا پروگرام تھا۔"

"تمہیں معلوم ہے' وہ حاملہ تھی؟" عدنان نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"جھوٹ مت بولو۔"

پوسٹ مارٹم رپورٹ کبھی جھوٹ نہیں بولتی۔ حمل تین ماہ کا تھا۔ تمہیں علم نہیں؟"

جابر پر دیوانگی طاری ہو گئی۔ وہ کرسی کے ہتھے پر پوری قوت سے ہتھیلی مارتا رہا۔

"خدایا.......... اس کی تو یہ آرزو تھی۔ میں نہیں مانتا تھا۔" اس کے ہونٹ بری طرح لرز رہے تھے۔ "میں ڈرتا تھا مگر صرف اس لیے کہ کہیں اسے کچھ ہو نہ جائے۔ اس کا مطلب ہے اس نے میری نہ مانی اور ظالموں نے اس کی آرزو پوری نہ ہونے .........." اب وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔

"گھنشام نے اس کی آرزو سمیت اسے کسی حقیر چیونٹی کی طرح مسل ڈالا اور اب یوں دندناتا پھر رہا ہے' جیسے یہ کوئی بات ہی نہیں۔"

"میں پہلے تمہاری باتوں کی تصدیق کروں گا۔" جابر نے اٹک اٹک کر کہا۔ پھر وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"ارے سنو تو.......... ایک منٹ۔" عدنان نے اسے پکارا مگر اس نے کوئی توجہ نہیں دی۔ اس کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں۔

"ایک منٹ۔" عدنان اٹھ کر اس کی طرف لپکا۔ اپنے اندر ہونے والی تبدیلی اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ بس وہ اتنا جانتا تھا کہ وہ ایک پاگل کتے کو شہر میں کھلا پھرنے کے لیے چھوڑ رہا ہے اور یہ مناسب نہیں ہے۔ "بے وقوف نہ بنو جابر۔ قادر یا گھنشام تک پہنچنے سے پہلے ہی تم ختم کر دیے جاؤ گے۔"

"ہاں......... وہ بڑے لوگ جو ہوئے۔"

"میں ذاتی وجوہ کی بنا پر تمہیں بھڑکا رہا تھا۔"

جابر نے دروازہ کھولا اور پلٹ کر اسے دیکھا۔ "وہ ذاتی وجوہ کیا تھیں؟"

"گھنشام نے شبانہ کو اٹھوا لیا ہے۔ میں گھنشام کے لیے پریشانیاں کھڑی کرنا چاہتا تھا تاکہ وہ شبانہ کو بھول جائے۔"

"تمہیں وہ لڑکی واپس چاہیے؟"

"ہاں۔"

"ذہین آدمی ہو۔ اسے بچانے کے لیے مجھے استعمال کر رہے تھے۔"

"لیکن یہ مناسب نہیں جابر۔"

"کیوں مناسب نہیں۔ میں اس کے لیے خاصی پریشانیاں کھڑی کروں گا۔ میں مر بھی جاؤں تو کیا فرق پڑتا ہے۔ تمہیں لڑکی مل جائے گی۔ تمہارے نزدیک میری اہمیت ہی کیا ہے۔ میں انسان نہیں' غلاظت کا ڈھیر ہوں۔ تمہارے خیال میں۔" جابر کے لہجے میں درد' اذیت تھی۔ وہ اس بچے کی طرح تھا' جو رونے سے بچنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"تم مجھے نہیں جانتے۔ شہلا کو بھی نہیں جانتے تھے۔ تمہارے نزدیک ہم دونوں غلیظ اور بے وقعت جانور تھے۔"

"نہیں۔ میں یہ فیصلہ کرنے والا کون ہوں۔ خدا کے لیے......... اتنے جذباتی نہ بنو۔"

"جذباتی؟ اونہہ۔ میرا خیال ہے' یہ میری زندگی کی آخری رات ہے۔" جابر نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔ "تمہارے خیال میں شہلا فاحشہ تھی۔"

"میرا خیال ہے' وہ تم سے محبت کرتی تھی۔ تمہارے بچے کی ماں بننا چاہتی تھی۔ میں اسے فاحشہ نہیں سمجھتا۔"

جابر نے اثبات میں سر ہلایا۔ "شکریہ......... نہ جانے کیوں میں چاہتا تھا کہ تم یا کوئی اور اسے برا نہ سمجھے۔ شاید تم آخری آدمی ہو جس سے میں شہلا کے متعلق بات کر رہا ہوں۔" اس نے دروازے سے باہر قدم رکھا اور پلٹ کر عدنان کو دیکھا۔ "میں عملی آدمی ہوں۔ شکریہ بھی عملی ہی ادا کروں گا۔ پتا لکھ لو......... طاہرہ نرسنگ ہوم' مغل روڈ۔ تمہاری شبانہ تمہیں وہیں مل سکے گی۔ خدا حافظ!" یہ کہہ کر اس نے دروازہ بند کیا۔



کوریڈور میں اس کے تیز قدموں کی آواز گونجتی رہی۔

عدنان نے ریسیور اٹھا کر ایس پی حامد کے گھر کا نمبر ملایا۔ حامد کی آواز سنتے ہی اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "ایک پتا نوٹ کر لو........."

"تم کہاں غائب ہو؟" حامد نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ہم نے قادر نامی ایک بدمعاش کو گرفتار کیا ہے۔ اس نے شہلا کے قتل کا اعتراف بھی کر لیا ہے۔ عاصم مرزا رہا ہو گیا ہے۔"

"طاہرہ نرسنگ ہوم' مغل روڈ۔" عدنان نے اس کی سنی ان سنی کر کے کہا۔ "شبانہ مغویہ کو وہیں رکھا گیا ہے۔"

"ایک منٹ۔ یہ اطلاع تو ہمیں پہلے ہی مل چکی ہے۔ ایک منٹ......... فون رکھ دو۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو؟" عدنان ماؤتھ پیس میں دہاڑا مگر رابطہ منقطع ہو چکا تھا۔ اس نے ریسیور رکھ دیا۔ ایک منٹ بعد گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھایا۔

"میں ریڈیو پر بات کر رہا تھا۔" دوسری طرف سے حامد نے کہا۔ "تین اسکواڈ کاریں مغل روڈ کے لیے روانہ ہو چکی ہیں۔"

"یہ پتا تمہیں کس سے ملا؟" عدنان نے پوچھا۔

"دس منٹ پہلے تمہارے ایڈیٹر بابر نے فون پر بتایا تھا' یہ بھی بتایا تھا کہ لڑکی گھنشام کے خلاف اہم ترین شہادت ہے۔" حامد نے بتایا۔

"میں تمہیں پھر فون کروں گا۔" عدنان نے کہا اور ریسیور رکھ کر دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھ گیا۔ بابر......... بابر......... اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

پانچ منٹ بعد اس نے پھر ایس پی حامد کو رنگ کیا۔ "شبانہ مل گئی؟ وہ خیریت سے ہے نا؟" اس نے بے تابانہ پوچھا۔

"ہاں۔ اس وقت وہ اسپتال لے جائی جا رہی ہے......... لارنس اسپتال۔ نرسنگ ہوم بدکاری کا اڈا ثابت ہوا ہے۔ آٹھ گرفتاریاں بھی ہوئی ہیں۔"

"شبانہ کو کیا ہوا؟ اسے اسپتال کیوں لے جایا گیا ہے۔" ریسیور پر عدنان کی گرفت سخت ہو گئی۔

"مجھے صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ اس کی حالت خراب ہے۔ تفصیل کا مجھے علم نہیں۔"

☆=====☆=====☆

شبانہ ایمرجنسی وارڈ میں تھی۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر وارڈ سے نکلا تو عدنان اس کی طرف لپکا۔ ”اس لڑکی شبانہ کا کیا حال ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”اس کی حالت اچھی نہیں۔ اسے مارفین کا بہت بھاری ڈوز انجیکٹ کیا گیا تھا اور یہ شاید صبح کی بات ہے۔ دن بھر وہ اس کے زیر اثر رہی۔ ہم اس کے اثرات زائل کرنے کی پوری پوری کوشش کر رہے ہیں۔“

”وہ بچ تو جائے گی نا؟“

”کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ فی الوقت ہم اسے آکسیجن دے رہے ہیں۔ نہ جانے ایسے اڈے کب بند ہوں گے۔“

”جلد ہی ہو جائیں گے۔“ عدنان نے جواب دیا۔ ”میں شبانہ سے مل سکتا ہوں؟“

”چار گھنٹے بعد مل سکیں گے۔ کوئی پیغام دینا ہو تو بتا دیجئے۔“

”میں پھر آؤں گا۔“

لابی میں جمہور کا فوٹوگرافر نوید مل گیا۔ اس نے بتایا کہ بابر نے اسے ہر قیمت پر شبانہ کی تازہ تصویر لانے کی ہدایت کی ہے۔

”کیا مطلب؟ کیا ہو رہا ہے دفتر میں؟“ عدنان نے حیرانی سے پوچھا۔

”بابر صاحب نے اودھم مچایا ہوا ہے۔ خصوصی ایڈیشن کی تیاری زور و شور سے ہو رہی ہے۔“

عدنان نے باہر نکلتے ہی دفتر کا رخ کیا۔ دفتر میں واقعی گہما گہمی تھی۔ بابر کسی فلم کے ہدایت کار کی طرح مسلسل چیخ چیخ کر احکامات جاری کر رہا تھا۔ بار بار اس کی نظر گھڑی کی طرف اٹھتی۔ اس کی آنکھوں میں اور چہرے پر عجیب سی چمک تھی۔

”لیجئے......... عدنان آ گیا۔“ شفیق نے عدنان کو دیکھتے ہی بابر سے کہا۔

بابر نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ ”بہت مناسب وقت پر آئے ہو بیٹے“ اس کے لبوں پر مشفقانہ مسکراہٹ ابھری۔ ”اصل خبر تمہیں لکھنی ہے......... تمام جزئیات اور تفصیلات سمیت۔ فی الوقت پارکنگ اتھارٹی فراڈ کو نظرانداز کر دو۔ اس کی تفصیلی رپورٹ اکرام تیار کر رہا ہے۔ شاباش......... جلدی کرو۔ ابھی آدھا گھنٹا پہلے انعام ملک نے بیان دیا ہے اور ہر بات کا اعتراف کر لیا ہے۔ میئر صابر محض چند گھنٹوں کا مہمان ہے۔“

”اور مجھے گرما گرم خبر لکھنی ہے؟“ عدنان نے سگریٹ سلگاتے ہوئے پوچھا۔



”ظاہر ہے اور میں تمہیں اس کام کے لیے صرف دو گھنٹے دے سکتا ہوں۔ اس کے باوجود اخبار لیٹ ہو گا۔“

”اور تمہارے متعلق کیا لکھوں؟“ عدنان نے سرد لہجے میں پوچھا۔ ”تمہاری کوئی تصویر ہو گی گھنشام کی بانہوں میں بانہیں ڈالے؟“

بابر نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ ”صرف حقیقت لکھو۔ مگر اچھے اخبار نویس کی طرح اصل چیز پر زیادہ زور دو۔ سمجھے؟“

اسی وقت چپراسی نے آکر بتایا کہ گھنشام فون پر بابر سے بات کرنا چاہتا ہے۔ بابر مسکرایا۔ اس نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ ”میرے خیال میں اسے اس سے پہلے فون کرنا چاہیے تھا۔“ پھر وہ عدنان کی طرف متوجہ ہوا۔ ”تم ایکسٹینشن پر ہماری گفتگو سن کر لکھ لو۔ یہ بھی بہت کام آئے گی۔ اوکے؟“

”اوکے......... میں تیار ہوں۔“ عدنان نے جواب دیا۔

بابر نے ریسیور اٹھایا۔ عدنان نے بھی ایکسٹینشن کا ریسیور اٹھا لیا۔ ”کیا بات ہے گھنشام؟“ بابر نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ اس کے لہجے میں بلا کا اعتماد تھا۔

”زیادہ چالاک بننے کی کوشش مت کرو۔“ گھنشام کے لہجے میں غصہ تھا۔ ”تمہارے فوٹوگرافر میرے گھر کے گرد منڈلا رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں‘ انہیں تم نے بھیجا ہے۔“

”یہ درست ہے۔ تم فرنٹ پیج پر بہت جچو گے۔“

”میں تمہیں رقم کس بات کی دیتا ہوں؟ اپنا نام اور تصویر اشاعت سے محفوظ رکھنے کی۔ خلاف ورزی کرو گے تو بھگتو گے بھی۔“

”تم کیا کچھ چھپنے سے روکنا چاہتے ہو؟ یہ کہ تم نے شہلا کے قاتل کو معقول اجرت دی یا یہ کہ تم نے عاصم مرزا کو قتل کے کیس میں پھنسایا تاکہ یہ شہر تمہاری ذاتی ملکیت بنا رہے اور تمہارے جرائم کا پردہ چاک نہ ہو۔“

”تم فکر نہ کرو۔ تمہارا حساب تو میں ضرور صاف کروں گا۔“ گھنشام کے لہجے میں سنگین ٹھہراؤ تھا۔

بابر نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ ”تم تو میرے کل کی اخبار کی شہ سرخی ہو۔ قاتل‘ بدمعاش‘ چور‘ لٹیرے‘ عورتوں کے کمیشن ایجنٹ‘ کوئی صفت رہ تو نہیں گئی؟“

”اس وقت ہنس لو‘ کل رونے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔“ گھنشام نے کہا۔ اس کے ساتھ ہی رابطہ منقطع ہو گیا۔

بابر نے ریسیور رکھا اور عدنان سے بولا۔ "چلو.......... لگ جاؤ دھندے سے۔ یہ گفتگو بھی شامل اشاعت کر سکتے ہو تم۔"

کام دوبارہ اسی رفتار سے شروع ہو گیا۔ بابر بار بار آ کر عدنان کی رپورٹ پڑھتا رہا۔

"میری اور گھنشام کی گفتگو سامنے والے صفحے پر باکس میں لگانا۔" اس نے ہدایت دی۔

"اب اصل کہانی پر کام شروع کر دو۔"

عدنان اسے سمجھنے سے قاصر تھا۔ وہ چند لمحے اسے بغور دیکھتا رہا۔ پھر بولا

"بابر..........! میری کہانی میں تمہارے خدو خال کچھ خراب لگیں گے۔"

"لگنے دو۔ میری بدصورتی بھی اس کہانی کا حصہ ہے۔" بابر نے بے پروائی سے کہا۔

"کچھ چھپانے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں صرف سچ چھاپنا ہے۔ میں نے پبلشر سے اس سلسلے میں بات کر کے اجازت لے لی ہے۔ مجھے مکمل کہانی درکار ہے، چھاپنے کے لیے سمجھے؟"

"ٹھیک ہے۔" عدنان نے تیز لہجے میں کہا۔ اس نے سگریٹ سلگایا اور کاغذ پر جھک گیا۔ وہ نروس ہو رہا تھا۔ اتنی بڑی خبر.......... اور وہ بھی پوری کی پوری، اس کی اپنی تفتیش پر مبنی تھی۔ وہی اسے لکھ رہا تھا۔ اسے بابر کی تبدیلی پر حیرت ہو رہی تھی۔ وہ پھر پہلے جیسا ہو گیا تھا لیکن اب وہ اس کا ہیرو نہیں تھا۔ وہ اس کے تصور سے بالکل مختلف نکلا تھا۔

وہ خبر میں لگا ہوا تھا کہ اسے جابر کی موت کی اطلاع ملی۔ وہ اداس ہو گیا۔ جابر برا آدمی تھا لیکن اپنی محبوبہ کے لیے موت کو گلے لگانے کے لیے حد سے بڑھ گیا تھا۔

"ہوا کیا؟" اس نے پوچھا۔

"واقعہ گھنشام کے مکان کے باہر رونما ہوا۔ تفصیل کافی الوقت علم نہیں۔ بہرحال اسے گھنشام کے باڈی گارڈ نے شوٹ کیا ہے۔"

کچھ دیر بعد عدنان نے رپورٹ مکمل کر کے بابر کو دی۔ بابر نے اسے پڑھنے کے بعد اوکے کر دیا۔ عدنان اپنے کالم میں مصروف ہو گیا۔ پھر شفیق نے آ کر اسے بتایا کہ اسپتال سے فون آیا ہے۔ شبانہ کو ہوش آ گیا ہے۔ اب وہ اس سے مل سکتا ہے۔

"بابر صاحب کہاں ہیں؟" عدنان نے پوچھا۔

شفیق نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ "کافی دیر سے نظر نہیں آئے۔ ممکن ہے، پریس میں ہوں۔"

"انہوں نے کچھ بتایا نہیں کہ کہاں جا رہے ہیں؟"



"نہیں اور میرا خیال ہے، وہ باہر بھی نہیں گئے ہوں گے۔"

"میں نے ابھی چند منٹ پہلے انہیں لفٹ کی طرف جاتے دیکھا ہے۔" چپراسی نے بتایا۔

"کمال ہے؟" عدنان تشویش آمیز لہجے میں بڑبڑایا۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ شفیق نے ریسیور اٹھایا۔ کچھ دیر سنتا رہا، پھر بولا۔ "جی ہاں.......... بات کیجئے۔" پھر اس نے ریسیور عدنان کی طرف بڑھایا۔ "بابر صاحب ہیں۔"

"تم کہاں ہو آخر؟" عدنان نے کہا۔

"میں سڑک پار والے ریسٹورنٹ سے بات کر رہا ہوں۔" ریسیور پر بابر کی پُرسکون آواز ابھری۔

"تم گھر چلے جاؤ۔ آج جشن مناؤ۔ یہاں سبھی جشن کے موڈ میں ہیں۔"

"نہیں.......... آج نہیں۔ ساری زندگی پارٹیوں میں.......... دوستوں سے جھوٹ بولتا، فراڈ کرتا رہا ہوں۔ آج میری کسی سے ملاقات طے ہے۔"

"کس سے؟ کہاں؟ کب؟"

"یہ مجھے نہیں معلوم۔ میں نے تو بس ونڈ شیلڈ کے پیچھے اس کا چہرہ دیکھا ہے۔ باقی تفصیل بعد میں معلوم ہو گی۔"

"کیا حماقت ہے؟" عدنان بڑبڑایا۔ پھر اس نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر شفیق سے کہا۔ "بابر سامنے والے ریسٹورنٹ میں ہے۔ دوسرے فون پر پولیس سے مدد طلب کرو۔ وہ خطرناک موڈ میں ہے، میں اسے باتوں میں لگاتا ہوں۔"

شفیق نے فوراً ہی دوسرا فون سنبھال لیا۔

"بابر..........! تم موجود ہو نا؟" عدنان نے ماؤتھ پیس میں پوچھا۔

"ہاں۔" بابر کی آواز میں تھکن اور اداسی اتر آئی تھی۔ "بیٹے! میں تمہیں خدا حافظ کہے بغیر تو نہیں جا سکتا۔ تم بھی یہ بات جانتے ہو۔"

"بابر پلیز.......... باہر نہ نکلنا۔ ریسٹورنٹ ہی میں بیٹھے رہو۔" عدنان نے التجا کی۔

"نہیں بیٹے! تم اندازہ نہیں کر سکتے کہ آج میں نے اپنی کمزوری کو کس کس طرح چھپا کر مضبوط انسان کا کردار ادا کیا ہے اور کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا میں لیکن اب.........."

"میری بات سنو۔" عدنان نے تیز لہجے میں کہا۔ "ہیرو بننے کی کوشش نہ کرو۔ تم اب بھی ہیرو ہو۔ سن رہے ہو؟"

"ہاں، سن رہا ہوں۔ تم میرے لیے پریشان ہو رہے ہو۔ غور سے سنو۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں مایوس کیا۔ تمہاری توقعات پر پورا نہیں اترا۔ تمہاری محبت گنوا دی میں نے۔ مجھے افسوس ہے۔ میں شرمندہ ہوں۔ مجھے یہ بات تمہارے روبرو سر اور نگاہیں جھکا کر کہنا چاہیے تھی لیکن وقت بہت کم تھا بیٹے..........!"

"وقت بہت ہے۔ اب فرصت ہی فرصت ہے۔ یہاں آجاؤ۔ ہم باتیں کریں گے۔ سب کچھ کہہ ڈالیں گے۔"

"ہم ہمیشہ یہی سمجھتے رہتے ہیں کہ وقت کی کمی نہیں۔" اب بابر خود پر طنز کر رہا تھا۔ "لیکن کسی کو پتا نہیں چلتا کہ کب وقت ختم ہو گیا۔ تمہارے سامنے بہرحال ایک عمر پڑی ہے۔ میں جو کچھ جانتا تھا، تمہیں سکھا چکا ہوں۔ تم نے خود بھی بہت کچھ سیکھا ہے۔ جو کچھ میں نے سکھایا ہے، وہ یاد رکھنا.........." بابر کی آواز چیخنے لگی۔ "اس کے علاوہ سب کچھ بھلا دینا۔ بھول جانا کہ میں کتنا برا ثابت ہوا۔ جو کچھ میں نے کیا، اسے بھی بھول جانا.........."

"ٹھیک ہے بابر! لیکن تم جہاں ہو، وہیں رہو.......... پلیز ہم آ رہے ہیں.........."

"اسکواڈ روانہ ہو چکی ہے۔" شفیق نے بتایا۔

"عدنان..........! یہاں آؤ۔" ادریس نے اسے پکارا۔ وہ کھڑکی کے پاس کھڑا تھا۔ اس کے لہجے میں نہ جانے کیا تھا کہ عدنان کھڑکی کی طرف لپکا۔ شفیق بھی اس کے پیچھے تھا۔

"وہ دیکھو.........." ادریس نے اشارہ کیا۔

آٹھ منزل نیچے ریسٹورنٹ کے سامنے سڑک خاصی روشن تھی۔ بابر ریسٹورنٹ کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کی انگلیوں میں سگریٹ دبا تھا۔ وہ وقفے وقفے سے کش لے رہا تھا۔

اچانک ایک کار نے تیز رفتاری سے موڑ کاٹا اور لہراتی ہوئی بابر کی طرف بڑھی۔ کار کی ہیڈ لائٹس بجھی ہوئی تھیں۔ بابر نے پلٹ کر کار کی طرف دیکھا اور نپے تلے قدموں سے اسی سمت بڑھنے لگا۔ اس نے دونوں ہاتھ یوں پھیلا لیے تھے جیسے کار کو بازوؤں میں سمیٹ لینے کا ارادہ رکھتا ہو۔

کار کی رفتار بڑھی اور اگلے ہی لمحے وہ رانگ سائیڈ میں بابر کو کچلتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

اب بابر نیچے سڑک پر کسی ٹوٹے ہوئے کھلونے کی طرح بکھرا پڑا تھا۔



ایک لمحے کو عدنان کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ کیا ہوا ہے۔ پہلے اس نے سمجھا تھا کہ شاید بابر نے خود کو کار کے سامنے سے ہٹا لیا ہے۔ مگر سڑک پر بکھرے ہوئے شیشے دیکھ کر اسے احساس ہوا کہ سائیلنسر لگے ریوالور سے فائر کیے گئے ہیں اور کسی گولی نے ریسٹورنٹ کے شیشے کے دروازے کو چکنا چور کر دیا ہے۔

عدنان تھکے تھکے انداز میں اپنی کرسی پر آبیٹھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بابر نے ایسا کیوں کیا؟ وہ کیا ثابت کرنا چاہتا تھا؟ جرأت.......... شرافت.......... دلیری.......... خود احتسابی کا ظرف۔ اسے خیال آیا کہ وہ اس کا ہیرو تھا۔ آخر میں وہی تو فتح یاب ہوا تھا۔ اس نے اپنے پیشے کی.......... اپنے امیج کی لاج رکھ لی تھی۔ وہ سرخرو ہی تو گیا تھا دنیا سے..........

اچانک اسے احساس ہوا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ زندگی میں پہلے کبھی اس نے خود کو اتنا تنہا.......... اتنا پژمردہ.......... اتنا دکھی محسوس نہیں کیا تھا۔

نہ جانے کتنی دیر بعد وہ اٹھا۔ جانے والے تو چلے گئے تھے۔ اب اسے شبانہ کے پاس جانا تھا۔ وہ زندہ تھی۔ اسے عمر بھر اس کا خیال رکھنا تھا.......... اسے خوش رکھنا تھا.......... اسے دکھوں اور اذیتوں سے بچانا تھا۔ اب شاید یہ شہر بھی رہنے کے قابل ہو جائے۔ غلاظت ڈھل رہی ہے۔ تطہیر کا عمل شروع ہونے والا ہے۔ خون بہتا ہے تو اجالے بھی دے کر جاتا ہے۔ گندے خون کا بہہ جانا ہی بہتر ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ اچھا خون بھی بہہ جاتا ہے۔ مگر رائیگاں نہیں ہوتا۔ وہ خون ہی تو نئی صبح کا پیغام لاتا ہے۔

وہ تھکے تھکے قدموں سے دفتر سے نکل آیا۔ افق پر صبح کی سپیدی جلوہ گر ہو رہی تھی۔ شبانہ اس کی منتظر ہو گی..........

☆=====ختم شد=====☆